NOVEMBER 2022 ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ

ماہنامہ

مظاہر علوم

سہارنپور



جامعہ مظاہر علوم کا ترجمان

ماہنامہ

مظاہرِ علوم

سہارنپور

جلد نمبر ۲۸ شمارہ نمبر ۷

ربیع الثانی ۱۴۴۴ھ نومبر ۲۰۲۲ء

نگران

حضرت مولانا سید محمد شاہد صاحب مدظلہ امین عام جامعہ ہذا

مدیر مسئول

حضرت مولانا سید محمد عاقل صاحب ناظم جامعہ ہذا

مدیر تحریر

مولانا عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

مجلسِ ادارت

- مولانا محمد ساجد حسن مظاہری
- مولانا محمد خالد سعید اعظمی
- مولانا مفتی شعیب احمد بستوی
- مولانا مفتی بشیر احمد سہارنپوری
- مولانا محمد معاویہ سعدی گورکھپوری

زرِ تعاون

فی شمارہ ———— ۳۰/روپے

سالانہ زرتعاون ———— ۳۰۰ روپے

بیرون ملک سالانہ ———— ۲۵ ڈالر

ترسیل زر کا پتہ

دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور ۲۴۷۰۰۱ (یوپی)

MAZAHIR ULOOM MONTHLY MAGAZINE

SAHARANPUR 247001(U.P.) INDIA

Ph: 0132-2655542

Email-jamiamazahir@gmail.com

اس شمارے میں

اداریہ	چمن سے آسکتی ہے......	عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۳
درس قرآن	منصبِ تعلیم	مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری	۷
	مناجات (منظوم)	حضرت مولانا فضل حق عارفؔ خیرآبادی	۱۲
انوار حدیث	حضرت اسامہ بن زیدؓ (۴)	مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری	۱۳
مقالات و مضامین	معاشرہ کی تشکیل میں.....	مولانا محمد جسیم الدین رحمانی	۱۸
	شراب اور منشیات.......	مفتی محمد قاسم اوجھاری	۲۳
	اصلاحِ نفس کی ضرورت	حضرت مولانا محمد عاشق الٰہی بلندشہریؒ	۲۶
	دینی شرافت (۱)	مولانا محمد معاویہ سعدی	۳۱
	پاکیزہ زندگی کے.......	مولانا محمد حیان بیگ	۳۶
تبرکات	ملفوظات حکیم الامتؒ	مفتی شعیب احمد بستوی	۴۱
واقعات الفتاویٰ	فتاویٰ مظاہر علوم	مرتب: مفتی بشیر احمد سہارنپوری	۴۴
اخبارِ مظاہر	جدید مطبوعات	عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی	۴۷

○ دائرہ کا سرخ نشان آپ کی مدت خریداری ختم ہونے کی علامت ہے، آئندہ کے لیے رقم ارسال فرمائیں۔

☆ شائع شدہ مضامین سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں۔

☆ جواب طلب امور کے لیے لفافہ اور خریداری نمبر کا حوالہ دینا ضروری ہے۔

☆ ماہنامہ، انگریزی ماہ کی ۲/ تاریخ کو حوالہ ڈاک کردیا جاتا ہے۔ ۱۰/ تاریخ تک موصول نہ ہونے پر مطلع فرمائیں۔

چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر، چمن کی روٹھی بہار اب بھی

عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

امیر المؤمنین سیدنا عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ نے ملک شام کے سفر کے موقع پر تاریخی جملہ ارشاد فرمایا تھا:

إنا كنا أذل قوم فأعزنا الله بالإسلام فمهما نطلب العزة بغير ما أعزنا الله به أذلنا الله

(البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۷۰)

ہم سب سے زیادہ ذلیل لوگ تھے پھر اللہ نے ہم کو اسلام کے ذریعہ عزت بخشی لہٰذا ہم جب بھی اسلام کے بغیر عزت چاہیں گے تو اللہ ہم کو ذلیل کردے گا۔

جب کہ حقیقت یہ ہے کہ اللہ رب العالمین نے مسلمانوں کو دنیا میں جو بھی عزت و رفعت اور شان و شوکت عطا فرمائی وہ دین اسلام پر ثابت قدم رہنے اور اپنے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت پر عمل کرنے سے حاصل ہوئی تھی اور جب بھی تاریخ اسلام کے کسی دور میں مسلم حکمرانوں نے اسلامی نظام حیات کو ترک کیا، راہ سنت سے منحرف ہوئے تو دیر سویر ان کا انجام انتہائی بھیانک ہوا۔

خلافت عباسیہ کا انحطاط وزوال، تاتاریوں کی یلغار اور قتل وغارتگری کی داستان پڑھئے یا پھر اندلس میں بنوامیہ کے چھ سو سالہ اقتدار کی کہانی اور ان کے سقوط کی داستان پر نظر ڈالئے، چھٹی صدی ہجری میں صلیبی عیسائیوں کی یورش اور چھوٹی چھوٹی مسلم ریاستوں کے باہمی اختلافات، منافقانہ کردار کا مطالعہ کیجئے، معلوم ہوگا کہ اس دور کے حکمرانوں نے اپنی عزت وعظمت کا سامان دوسرے مذاہب کے اصولوں یا پھر اپنی نفسانی خواہشات کے تابع ہوکر دین اسلام سے عملی انحراف میں تلاش کرنا شروع کردیا تھا، عیش وعشرت لہو ولعب، رقص وسرود میں گم ہوکر اپنی وحدت واجتماعیت کی چادر کو چاک کر بیٹھے تھے۔

آج پھر امت مسلمہ ہر لحاظ سے زبوں حالی اور افلاس کا شکار ہے، سیاسی اعتبار سے اس کی کوئی مستقل پالیسی نہیں، معاشی اعتبار سے اکثر مسلم ممالک بین الاقوامی یہودی اور مغربی معاشرتی اداروں اور

حکومتوں کے مقروض ہیں اور اپنی معیشت کے بارے میں خود فیصلے نہیں کر سکتے جو مسلمان ممالک امیر ہیں ان کی اصل دولت مغربی بینکوں میں ہے اور مغربی ممالک کے کام آرہی ہے، جب کہ بہت سے غریب مسلم ممالک کے عوام نان جویں تک کو ترس رہے ہیں۔

خط غربت سے نیچے زندگی بسر کرنے والے مسلمانوں کی تعداد پینتالیس (۴۵) کروڑ سے بھی زیادہ ہے، جو کل مسلم آبادی کی ایک تہائی سے بھی زیادہ ہے، دفاعی لحاظ سے دیکھیے تو پوری اسلامی دنیا خود کفیل نہیں بلکہ مغرب کی محتاج ہے، مسلم ممالک کے درمیان کوئی دفاعی معاہدہ نہیں اور طاقتور مغربی ممالک جب چاہتے ہیں مسلمان ممالک کو نرم چارے کی طرح نگل لیتے ہیں۔

صنعت وحرفت کا یہ حال ہے کہ کوئی مسلمان ملک بھاری مشینری یا الیکٹرانک مصنوعات نہیں بنا سکتا یہ سب ترقی یافتہ ممالک سے درآمد کرنی پڑتی ہیں، سارے مسلم ممالک کی مجموعی قومی پیداوار دنیا کے مجموعی قومی پیداوار کا محض چار فیصد ہے، تعلیم کا یہ حال ہے کہ اکثر مسلم ممالک میں شرح تعلیم تیس چالیس فیصد سے زیادہ نہیں، تربیت کا کہیں اہتمام ہی نہیں، اخلاقی ابتری کا یہ حال ہے کہ کرپٹ ترین ممالک میں ہمیشہ اسلامی ملکوں کا نام سرفہرست ہوتا ہے۔

ہماری سماجی حالت یہ ہے کہ ہم کافروں جیسا بننا چاہتے ہیں، تمدن وثقافت میں غیروں اور دشمنوں کی پیروی کرنا چاہتے ہیں، زراعت میں مسلم دنیا خود کفیل نہیں اور پیٹ بھرنے جیسی بنیادی ضرورت کو پورا کرنے کے لیے بھی ترقی یافتہ ممالک کی محتاج ہے، مسلمان ممالک کے نزدیک سائنس وٹیکنالوجی کی یہ اہمیت ہے کہ یہ اپنی قومی مجموعی آمدنی کا صرف پانچ (۵) فی صد سائنس وٹیکنالوجی پر صرف کرتے ہیں، دنیا کے تقریباً ۷۵ فی صد معدنی وسائل کی مالک اسلامی دنیا مفلوک الحالی کا شکار ہے۔ اس پر اربوں ڈالر کے قرضے ہیں۔

انڈونیشیا سے مراکش تک پھیلے اسلامی ممالک کی آبادی دنیا بھر کی آبادی کا تقریباً چوتھا حصہ ہے، عالم اسلام لگ بھگ تین کروڑ مربع کلومیٹر رقبے پر محیط ہے، صرف پانچ اسلامی ممالک سعودی عرب، عراق، متحدہ عرب امارات، کویت اور ایران کے دریافت شدہ تیل کے زبردست ذخائر کے باوجود دنیا کی

برآمدات میں ہمارا حصہ صرف 7.5 فیصد ہے، عالمی معیشت میں ہمارا حصہ پانچ فی صد سے بھی کم ہے، اتحاد ویکجہتی کا یہ عالم ہے کہ مسلم ممالک کی 90 فیصد تجارت پر اغیار قابض ہیں۔

ماہر معاشیات محمود احمد مرزا مسلم دنیا کی پسماندگی کے اسباب پر بحث کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ

"آج کل قوموں کی ترقی کا انحصار سائنس وٹیکنالوجی پر ہے جب کہ کیفیت یہ ہے کہ مسلم ممالک میں سائنس اور ٹیکنالوجی سے بہرہ ور افراد کی تعداد مایوس کن ہے، مسلم ممالک میں اوسطاً دس لاکھ افراد میں سائنس وٹیکنالوجی سے آگاہ افراد صرف چار ہزار دوسو (4200) ہیں، معاشی اعتبار سے تیزی سے ترقی کے لیے یہ شرح کم از کم تین گنا زیادہ ہونی چاہیے۔

جہاں تک ریسرچ اور ڈویلپمنٹ کا تعلق ہے اس شعبے میں مسلم ممالک کی حالت ناگفتہ بہ ہے، سائنس اور ٹیکنالوجی سے بہرہ ور افراد میں سے صرف ایک اعشاریہ اٹھارہ فیصد افراد ریسرچ اور ڈویلپمنٹ میں مصروف ہیں، سائنس اور ٹیکنالوجی کے بڑے رسالوں میں مسلم ممالک کے لکھنے والے ماہرین کا حصہ صرف ایک فیصد ہے، دنیا میں ہر سال سائنس پر تقریباً ایک لاکھ کتب چھپتی ہیں، ان میں سے ایک بھی مسلم ممالک میں نہیں لکھی جاتیں، پورے عالم اسلام میں یونیورسٹیوں سمیت اعلیٰ تعلیمی ادارے صرف ایک ہزار کے قریب ہیں، ان میں بھی بیشتر یونیورسٹیوں میں اعلیٰ سماجی تعلیم اور سائنس وٹیکنالوجی پڑھانے اور سکھانے کی سہولتیں ناقص ہیں، جبکہ صرف ایک ترقی یافتہ ملک جاپان میں ایک ہزار سے زیادہ اعلیٰ پائے کی یونیورسٹیاں ہیں۔

مختصر یہ کہ جس پہلو سے دیکھیے مسلم امت زبوں حالی کا شکار ہے اور یہ وہ حقائق ہیں جو ہمارا منہ چڑاتے ہیں اور تلخ ہیں، لیکن ان کے وجود سے انکار نہیں کیا جاسکتا"۔

مسلمانوں کی معاشی، سماجی، تعلیمی اور سیاسی زبوں حالی کی بنیادی اور اصل وجہ مسلمانوں کا اپنے مرکز، اپنی اساس اور اپنی بنیاد دین سے دوری، قرآن وسنت، اسلامی تعلیمات، اسلامی شعائر اور دینی اقدار سے دوری، یہی وہ بنیادی سبب ہے جس کی بنیاد پر آج امت مسلمہ کم وبیش پوری دنیا میں بے شمار مسائل اور ان گنت چیلنجز سے دو چار ہے، اسے مرکز سے دوری اور دین فراموشی نے کہیں کا نہیں رکھا جب کہ حقیقت یہ ہے اس وقت دنیا کا ہر پانچواں شخص مسلمان ہے، دنیا میں ایک ہندو اور ایک بودھ کے مقابلے میں دو مسلمان اور ایک یہودی کے مقابلے میں ایک سو مسلمان ہیں، دنیا میں ایک سو اکسٹھ (۱۶۱) اسلامی ممالک ہیں۔

لیکن یہ دنیا میں تیسری بڑی قوت ہونے کے باوجود انتہائی کمزور، بے بس اور بے انتہا مسائل اور چیلنجز سے دو چار ہیں، اس کا سبب صرف اور صرف ایک ہے، وہ یہ کہ وہ دین فراموشی اور خود فراموشی کی راہ پر گامزن ہیں، انھوں نے اپنے بنیادی تشخص اور اپنی حیثیت کو فراموش کر دیا ہے۔

ہمارے اسلاف چونکہ دین سے وابستہ تھے، اسلامی اقدار اور صفات عالیہ سے مزین تھے، اس لیے دنیا میں انھیں عزت وشوکت، اقتدار اور افتخار ملا، اب صورت حال یہ ہے کہ امت مسلمہ نے قرآن اور اس کی تعلیمات، نبی اکرم حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغام، ان کے اسوہ حسنہ اور تعلیمات پر عمل کم کر دیا ہے، اغیار کی تہذیب وثقافت اور ان کی اقدار پر عمل پیرا ہیں، اس لیے یہ ان گنت مسائل اور چیلنجز سے دو چار ہیں، چنانچہ امت مسلمہ اگر آج بھی دین سے وابستہ ہوجائے، قرآن سے اپنے تعلق کو جوڑ لے، اپنے آباء کی ثقافت اور ورثے کو اپنا لے، اسلامی اقدار سے وابستہ ہوجائے، اسلامی تعلیمات پر عمل پیرا ہوجائے تو مسائل اور چیلنجز کی اس آگ میں بھی گلستان کا ماحول پیدا ہوسکتا ہے۔ **لا یصلح آخر هذه الأمة الا بما صلح به أولها۔**

چمن کے مالی اگر بنالیں ،چمن کے لائق شعار اب بھی
چمن میں آسکتی ہے پلٹ کر ،چمن کی روٹھی بہار اب بھی

حالات وواقعات اور آئے دن کے حوادثات چیخ چیخ کر اعلان کررہے ہیں کہ اس وقت پوری دنیا اسلام اور مسلمانوں کے خلاف ایک محاذ بنائے ہوئے ہے، دشمنان اسلام کی جانب سے ہر ممکن تدبیر یہ کی جارہی ہے کہ اسلام ایک فرسودہ اور حالات وزمانہ کا ساتھ نہ دینے والا مذہب باور کرادیا جائے۔ ایسے وقت میں مسلمانان عالم کی یہ شرعی ذمہ داری بنتی ہے کہ اپنے دینی اعمال وعقائد میں اور رسوخ پیدا کریں، اسلامی تعلیمات کو اور عام کریں اور اپنے اخلاق وکردار سے دنیا کو باور کرائیں کہ اسلام ہی دین فطرت ہے، اس کی تعلیمات اور احکامات، حالات وزمانہ کے عین مطابق ہیں، عوامی جگہوں پر اسلامی شعار اور عبادات کو بلاخوف ادا کریں اور اسلام سے عملی وابستگی کا پورا پورا اظہار کریں اور دنیا کو یہ تأثر دیں کہ اسلام ہی امن عالم کا سب سے بڑا علمبردار ہے، تاکہ اسلام اور مسلمانوں کے خلاف آوازیں اٹھانے والے غیر اسلامی عناصر اپنے ناپاک عزائم اور مقاصد میں کامیاب نہ ہوسکیں۔

درسِ قرآن

دوسری قسط

منصبِ تعلیم

مولانا محمد ساجد حسن سہارنپوری
استاذ حدیث وتفسیر، مظاہر علوم سہارنپور

رَبَّنَا وَابْعَثْ فِيهِمْ رَسُولًا مِنْهُمْ يَتْلُو عَلَيْهِمْ آيَاتِكَ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَيُزَكِّيهِمْ إِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ (سورہ بقرہ آیت ۱۲۹)

اے ہمارے پروردگار! ان میں (یعنی بیت اللہ کے باشندوں میں) ایک عظیم رسول بھی بھیجئے جو انھیں میں سے ہو، جو انھیں آپ کی آیتیں پڑھ کر سنائے، اور انھیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اور ان کو پاکیزہ بنائے، بے شک آپ غلبہ والے ہیں اور حکمت والے ہیں۔

تشریح وتوضیح:

اس آیت شریفہ میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی ایک اہم دعا، عظیم رسول مبعوث فرمانے کی مذکور ہے اور بعثتِ رسول کے دو عظیم مقصد بھی بیان کیے گئے ہیں، پہلا مقصد تحلیہ ہے (کمالات سے آراستہ، پیراستہ ومزین کرنا) جس کی تین صورتیں، تین جملوں يَتْلُوا عَلَيْهِمْ اٰيٰتِكَ، وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتٰبَ، وَالْحِكْمَةَ میں بیان کی گئی ہیں۔ دوسرا مقصد تخلیہ ہے یعنی عقائد باطلہ، اعمال سیئہ واخلاق رذیلہ سے بچانا. یہ صورت ویزکیھم میں مذکور ہے، کل چار صورتیں:

۱۔ مبلغ اعظم ۲۔ معلم اعظم ۳۔ مرشد اعظم ۴۔ مصلح اعظم۔

رسول کی پہلی حیثیت مبلغ اعظم کی ہے یعنی رسول کا پہلا کام، اللہ کے کلام کی تبلیغ ہے، يقرأ عليهم ويبلغهم ما يوحى إليه من دلائل وحدانيتك وصدق أنبيائك۔ تبلیغ کو یتلوا علیھم آیاتک میں بیان کیا ہے۔

رسول کی دوسری حیثیت معلم اعظم کی ہے، رسول کا کام محض تبلیغ اور صرف پیام رسانی پر ختم نہیں ہوجاتا بلکہ تبلیغ کے بعد دوسرا مرحلہ تعلیم کا ہے، اور تعلیم میں الفاظ کی تعلیم، ترجمانی، تشریح، سب کچھ داخل

ہے، اس حیثیت کو ویعلمهم الکتاب میں بیان کیا ہے۔ وَيُعَلِّمُهُمُ الْكِتَابَ وَالْمُرَادُ أَنَّهُ يَأْمُرُهُمْ بِتِلَاوَةِ الْكِتَابِ وَيُعَلِّمُهُمْ مَعَانِيَ الْكِتَابِ وَحَقَائِقَهُ۔

تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا دوسرا منصب تعلیم ہے۔ خود نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے بارے میں ارشاد فرمایا: کہ اللہ نے مجھے معلم بنا کر بھیجا ہے "ان اللہ بعثنی معلماً" مسلم رقم الحدیث ۱۴۷۸۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ معلمی کتنا عظیم منصب اور کتنا بڑا اعزاز ہے، اور جو منصب جتنا عظیم ہوتا ہے اس کی ذمہ داریاں بھی اتنی ہی عظیم ہوتی ہیں، اور ذمہ داریوں سے وہی شخص عہدہ برآ ہوسکتا ہے جو ذمہ داریوں سے اور اس کام کے کرنے کے طریقوں سے واقف ہو۔ ظاہر ہے کہ تعلیم کے تقاضوں، اس کے اصول وآداب، طور طریقوں، مواقعِ استعمال، مخاطبین ومستفیدین کے اذہان کی رو رعایت، ایسے امور ہیں جن سے نہ کوئی نبی سے زیادہ واقف ہے اور نہ نبی سے زیادہ کوئی رو رعایت کرسکتا ہے، اس لئے اس موضوع کی مناسبت سے سیرتِ طیبہ سے کچھ رہنمایانہ اصول وآداب نقل کئے جاتے ہیں تاکہ تعلیم وتدریس سے وابستہ بابصیرت حضرات ان کو اپنا لائحہ عمل بنائیں اور کسی بھی طرح کی افراط وتفریط سے محفوظ رہیں۔

خوش گوار ماحول

سلسلہ تعلیم کی کامیابی کا راز، خوش گوار ماحول کا میسر آنا ہے، اور خوش گوار ماحول کا پہلا زینہ، حاضرین کا خاموش رہنا ہے، تاکہ بات پورے انہماک، غور اور توجہ سے سنی جاسکے بالخصوص جبکہ سامعین کی تعداد زیادہ ہو، قرآن کریم میں بھی صراحت ہے کہ جب قرآن پڑھا جائے تو توجہ سے سنو اور خاموش رہو وَإِذَا قُرِئَ الْقُرآنُ فَاسْتَمِعُوا لَهُ وَأَنْصِتُوا لَعَلَّكُمْ تُرْحَمُونَ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم وعظ وارشاد اور تعلیم وتعلم کے مواقع پر حاضرین کو خاموش رہنے وخاموش کرنے کا حکم دیتے تھے، چنانچہ بلال بن رباح رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عرفہ کے دن ان سے فرمایا: اے بلال! لوگوں کو کہو! کہ خاموش ہوجائیں، پھر فرمایا: آج کے دن اللہ نے تمہیں بہت سے انعامات سے نوازا ہے چنانچہ گنہ گاروں کو نیکوں کی بدولت بخش دیا ہے اور نیک لوگوں کو وہ دیا جو انہوں نے مانگا۔

عَنْ بِلَالِ بْنِ رَبَاحٍ، أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهُ: غَدَاةَ جَمْعٍ يَا بِلَالُ أَسْكِتِ النَّاسَ أَوْ أَنْصِتِ النَّاسَ ثُمَّ قَالَ: إِنَّ اللهَ تَطَوَّلَ عَلَيْكُمْ فِي جَمْعِكُمْ هَذَا، فَوَهَبَ مُسِيئَكُمْ،

لِمُحْسِنِكُمْ، وَأَعْطِى مُحْسِنَكُمْ مَاسَأَلَ، اُدْفَعُوا بِاسْمِ اللهِ، (سنن ابن ماجۃ رقم: ۳۰۲۴)

معلوم ہوا کہ مخاطبین اگر محو گفتگو ہوں تو اولاً ان کو خاموش کرنا چاہئے۔

ترغیب وتشویق

تعلیم کے صحیح نتائج اخذ کرنے اور خاطر خواہ ثمرات مرتب ہونے کے لئے متعلم کے ذہن کا دیگر شواغل وساوس سے خالی ہونا ضروری ہے، باوجودیکہ صحابۂ کرام ہمہ تن متوجہ رہتے مگر کبھی کبھی مخاطبین کو خالی الذھن کرنے اور سامعین کو سراپا شوق ورغبت بنانے کے لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے :

کیا میں تمھیں ایک بات بتاؤں؟ **الا ادلکم، الا أخبر کم؟**۔ کبھی سوال کر کے متوجہ کرتے۔ **ألا أدلکم علی باب من ابواب الخیر، قلت: بلی قال لا حول ولا قوۃ الا باللہ**۔

حضرت عقبہ بن عامرؓ سے روایت ہے کہ میں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ، پہاڑی راستہ میں آپ کی سواری کی نکیل تھامے چلا جارہا تھا، اسی دوران آپ نے مجھ سے فرمایا: اب تم سوار ہو جاؤ، میں ادباً سوار ہو گیا، پھر اتر گیا، اس کے بعد آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اے عقبہ! پڑھی جانے والی دوسورتوں میں. میں تمھیں بہترین سورت نہ بتاؤں؟ **ألا أعلمک سورتین من خیر سورتین قرأ بھما الناس** (مسند احمد: رقم ۱۷۲۲۹)

یہ ارشاد فرما کر سامع کے قلب میں ان سورتوں کے سیکھنے کی تڑپ پیدا کی، اور پورے طور پر اپنی جانب متوجہ کیا اور پھر معوذتین پڑھنے کے بارے میں بتایا۔

لقب وکنیت

سیرت طیبہ سے یہ ثابت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنے شاگردوں کو ان کے ناموں، القاب وکنیتوں کے ساتھ بھی یاد فرمایا کرتے تھے، بڑے کے طرف سے اس طرح کے انداز تخاطب میں ایک گونہ تعلق کا اظہار ہوتا ہے اور سلیم الفطرت طلبہ کے دل میں مسرت اور باہمی قربت بھی پیدا ہوتی ہے، مثلاً عبدالرحمنؓ صحابی کو بلیوں سے کھیلتے دیکھا تو ان کو ابوہریرہ کہہ دیا۔ ان کی کنیت ان کے نام پر اتنی غالب آئی کہ لوگ اصل نام کو ہی بھول گئے، اور وہ خود بھی زندگی بھر اپنے کو ابوہریرہ ہی کہتے رہے۔

اجمال وتفصیل

بات کو ذہن نشین کرانے کا ایک سہل طریقہ یہ بھی ہے کہ مختلف اسالیب ومختلف پیرایوں میں بات

کی جائے ، کبھی اجمالا تو کبھی تفصیلا، قرآن کریم میں اللہ رب العزت نے اولاً **تلک الرسل فضلنا** میں اجمالی تفصیلِ انبیاء بیان فرمائی ، بعدہ اس کی تفصیل **منھم من کلم اللہ** میں بیان فرمائی ۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم اگر یہ سمجھتے کہ مخاطب اجمالی کلام بھی سمجھ جائے گا تو اس پر اکتفا فرماتے ورنہ تفصیلا جزئیات بھی بیان کرتے ۔

سلیمان بن بریدہؒ اپنے باپ سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب کسی کو بڑے یا چھوٹے لشکر کا امیر بنا کر بھیجتے تو اس کو کچھ ہدایات خاص اس کے بارے میں دیتے اور کچھ رفقاء کے بارے میں اور کچھ جنگجو کفار کے بارے میں، کفار کے بارے میں فرمایا: **اذالقیت عدوک من المشرکین فادعھم الی ثلث خصال فأیتھنّ ما أجابوک فاقبل منھم**۔ پھر ان تین خصال کو تفصیل سے بیان فرمایا۔ (ابوداود ۲۶۱۲۔)

اعادہ کلام

بعض کلام مہتم بالشان ہوتے ہیں، ان کی اہمیت کا تقاضا ہے کہ بار بار ان کا اعادہ کیا جائے، بار بار کے اعادہ سے غبی و کُند ذہن کو بھی بات اچھی طرح سمجھ میں آجاتی ہے،اور کلام کی اہمیت کا بھی اندازہ ہوجاتا ہے، اسی لئے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم بعض کلام کو تین تین بار ارشاد فرماتے تھے ۔

عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ، قَالَ: كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُعِيدُ الكَلِمَةَ ثَلَاثًا لِتُعْقَلَ عَنْهُ (سنن الترمذی ۳۶۴۰۔)

صلح حدیبیہ کے موقع پر ارشاد فرمایا: چلو! قربانی کرو (دمِ احصار دو) اور حلق کرالو، اور یہ تین مرتبہ ارشاد فرمایا۔

بات میں ٹھہراؤ

کلام کے سمجھنے کا بڑا مدار اسلوب کلام پر ہے، فرض کیجئے کہ اگر کلام تو فصیح وبلیغ ہومگر الفاظ وحروف پر گرفت نہ ہو، یا ایک جملہ کا کلمہ دوسرے جملہ سے ملا دیا جائے تو کلام خلط ملط ہوجاتا ہے، اس سے بات بھی سمجھ میں نہیں آتی اور کلام بھی کچھ کا کچھ ہوجاتا ہے، گھبلو کی بات بھی اسی لئے سمجھ میں نہیں آتی کیونکہ وہ اپنے کلام میں وصل ووقف اور اولِ کلام وآخرِ کلام کا فصل وامتیاز نہیں کرپاتا، حروف کی صفات ومخارج تو کجا، اس لئے حسین کلام کے ساتھ ساتھ حسین اسلوب بھی ہونا ضروری ہے۔

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی گفتگو میں توٹھہراؤ ہوتا اور زبان مبارک سے الفاظ صاف صاف نکلتے تھے، یعنی حروف کے دوران اس طرح توقف فرماتے کہ ان کے مخارج اور صفات نکھر کر سامنے آتے اور ان کی حرکات وسکنات واضح ہوجاتیں:

عن جابر قال کان فی کلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ترتیل وترسیل.

(رواہ ابوداود ۴۸۳۸)۔

حضرت عائشہؓ سے مروی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہر بات الگ الگ اور اتنی واضح ہوتی جسے ہر سننے والا سمجھ سکے اور یاد کرنے والا یاد کر سکے۔

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَت: مَا كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَسْرُدُ سَرْدَكُمْ هَذَا، وَلَكِنَّهُ كَانَ يَتَكَلَّمُ بِكَلَامٍ يُبَيِّنُهُ فَصْلٌ، يَحْفَظُهُ مَنْ جَلَسَ إِلَيْهِ۔ (سنن الترمذی رقم ۳۶۳۹:)

مثالوں کا استعمال

بعض باتیں عقلی ودقیق ہوتی ہیں مخاطب کے لئے ان کا فہم وادراک مشکل ہوتا ہے، اس لئے معنوی اوصاف اور مضمرات کو مظہرات کا جامہ پہنانے کے لئے، مخاطب کی سہولت اور افہام وتفہیم کے لئے مثالوں کا سہارا لیا جاتا ہے، قرآن کریم میں بھی بتوں کا عجز بیان کرنے کے لئے مثالیں بیان کی گئی ہیں، ذخیرۂ احادیث میں بھی بہت سی امثلہ موجود ہیں۔ ایک بار انسان اور اس پر آنے والی مصائب اور موت کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے زمین پر نقشہ کھینچ کر سمجھایا۔

عَنْ عَبْدِ اللهِ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ، قَالَ: خَطَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَطًّا مُرَبَّعًا، وَخَطَّ خَطًّا فِي الوَسَطِ خَارِجًا مِنْهُ، وَخَطَّ خُطَطًا صِغَارًا إِلَى هَذَا الَّذِي فِي الوَسَطِ مِنْ جَانِبِهِ الَّذِي فِي الوَسَطِ، وَقَالَ: هَذَا الإِنْسَانُ، وَهَذَا أَجَلُهُ مُحِيطٌ بِهِ - أَوْ: قَدْ أَحَاطَ بِهِ - وَهَذَا الَّذِي هُوَ خَارِجٌ أَمَلُهُ، وَهَذِهِ الخُطَطُ الصِّغَارُ الأَعْرَاضُ، فَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَهَشَهُ هَذَا، وَإِنْ أَخْطَأَهُ هَذَا نَهَشَهُ هَذَا۔ (رواہ البخاری رقم ۶۴۱۷:)

تو ایک کامیاب معلم کے لئے مثالوں کا استعمال اور اگر ضرورت ہو تو اس کے لئے تختۂ سیاہ (بلیک بورڈ) کا ہونا ضروری ہے۔

سوال وجواب

معیاری تعلیم کاایک طریقہ سوال وجواب بھی ہے،اس سے بھی بات خوب ذہن نشیں ہوجاتی ہے۔

سوال کی ایک نوعیت تو یہ ہے کہ معلم. تعلیم کے بعد پھر سوال کرے کہ میں نے کیابتایا، کیاپڑھایا ہے،اس سے مخاطب میں تیقظ رہتا ہے۔

دوسری نوعیت یہ ہے کہ بتانے سے قبل ہی سوال کرے، نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشحیذ اذھان کی خاطر حضراتِ صحابہ سے اس طرح کے سوالات بھی کیا کرتے تھے۔ چنانچہ ایک بار حضرات صحابہ سے سوال فرمایا: کہ کونسادرخت ایسا ہے جو مومن کی طرح سراپا نفع بخش ہے،اور کبھی اس کے پتے نہیں گرتے اور پھر خود ہی بتایا کہ وہ درخت کھجور کا ہے۔

عَنْ ابْنِ عُمَرَ، أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَهِيَ مَثَلُ المُؤْمِنِ حَدِّثُونِي مَاهِيَ؟(سنن الترمذی رقم ۲۸۶۷:۔)

مناجات بدرگاۃ قاضی الحاجات

رشحاتِ قلم: استاذ الاساتذہ حضرت مولانا فضل حق عارف خیرآبادی

استاذ شعبۂ عربی مدرسہ عربیہ منبع العلوم خیرآباد/مئو

خدایا میں تیرا کرم چاہتا ہوں		تری رحمتیں دم بدم چاہتا ہوں
نہ دنیا کے جاہ و حشم چاہتا ہوں		رضا تیری ، تیری قسم چاہتا ہوں
شفاعت ملے مجھ کو محبوبِ رب کی		رہوں حشر میں تازہ دم چاہتا ہوں
ملے قبر میں مجھ کو آرام و راحت		تو رہ جائے میرا بھرم چاہتا ہوں
وہی منزلِ اولیں دوستو! ہے		اسی کو میں باغِ اِرم چاہتا ہوں

زباں اور دل غرقِ توحید عارفؔ

نکلتے ہوئے اپنا دم چاہتا ہوں

انوارِ حدیث

چوتھی قسط

محبوبِ رسولِ خدا

اسامہ بن زید رضی اللہ عنہما

مولانا محمد خالد سعید مبارکپوری
استاذ شعبۂ تخصص فی الحدیث مظاہر علوم سہارنپور

رسول اللہ صلی اللہ کی طرف سے آخری لشکر کی امارت

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی حیات مبارکہ میں جو آخری لشکر تشکیل دیا اور اسے جنگ کے لئے روانگی کا حکم دیا، وہ مہاجرین اولین اور انصار میں سے تین ہزار اکابر صحابہ پر مشتمل تھا، جس کی کمان آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کے سپرد فرمائی، یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے متعین کردہ سب سے آخری اور کم سن کمانڈر تھے، نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی شجاعت، جنگی مہارت اور امارت کی لیاقت پر پورا اعتماد تھا۔

اس واقعہ کی کچھ تفصیل اس طرح ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حضرت زید بن حارثہ، حضرت جعفر اور ان کے ساتھیوں کے جنگ موتہ میں قتل کئے جانے پر سخت رنج وغم لاحق ہوا تھا اور آپ برابر اس کا تذکرہ فرمایا کرتے تھے، یہاں تک کہ حجۃ الوداع سے مدینہ منورہ واپسی کے بعد اواخر صفر ۱۱ھ میں آپ نے رومیوں پر حملہ کی تیاری کا حکم دے دیا، صحابہ جہاد کی تیاری میں جُٹ گئے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زیدؓ کو امیرِ لشکر بنایا اور انھیں بلا کر جنگ سے متعلق ہدایات دیتے ہوئے فرمایا: اے اسامہ! اللہ کے نام اور اس کی برکت پر چلتے رہو، یہاں تک کہ جب اپنے والد کے قتل کی جگہ پر پہونچنا تو انھیں گھوڑوں سے روند ڈالنا، میں نے تمھیں اس لشکر کا امیر بنایا ہے، لہٰذا ''اُبنیٰ'' کے باشندوں پر صبح میں حملہ کرنا اور انھیں آگ لگا دینا، اور وہاں خبر پہونچنے سے پہلے تیز رفتاری سے پہونچ جاؤ، پھر اگر اللہ تعالیٰ تمھیں کامیابی عطا فرمائیں تو وہاں کم ہی ٹھہرنا، اور اپنے ساتھ دلیل (راستہ بتانے والا) لے لو، جاسوسوں اور دشمن کی معلومات کرنے والے فوجی دستے آگے بھیج دو۔

اور خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے دستِ مبارک سے ان کے لئے پرچم باندھا، اور پھر فرمایا: اللہ کا نام لے کر اللہ کے راستہ میں لڑنے کے لئے نکلو، تم لوگ اللہ کے ساتھ کفر کرنے والوں سے قتال

کرو،تم لوگ جنگ کرنا مگر عہد شکنی مت کرنا،کسی بچے اور عورت کو قتل مت کرنا،اور دشمن سے مڈبھیڑ کی تمنا مت کرنا اس لئے کہ تمھیں نہیں معلوم کہ شاید تم ان کے ذریعہ آزمائش میں ڈال دیئے جاؤ،لیکن تم لوگ یہ دعا کرو ''اللّٰھُمَّ اکفِنَاھُم وَاکفُف بأسَھم عنّا'' (اے اللہ! آپ ہی ہماری ان سے حفاظت فرمائیے،اور ان کی سختی و جنگ کو ہم سے روک دیجئے) اور اگر ان کا تم لوگوں سے سامنا ہوگا تو وہ شور وشغب اور ہنگامہ کریں گے تو تم لوگ سکینت اور خاموشی اختیار کرنا اور آپس میں نزاع اور اختلاف مت کرنا،اور بزدلی اور کم ہمتی مت دکھانا،ورنہ تمہاری ہوا اکھڑ جائے گی،تم لوگ یہ دعا کرتے رہنا کہ ''اے اللہ! ہم تیرے بندے ہیں اور وہ بھی تیرے بندے ہیں،ہماری اور ان کی پیشانیاں تیرے ہی قبضے میں ہیں،اور تجھ کو ہی ان پر غلبہ اور قدرت حاصل ہے''۔اور تم لوگ اس بات کو خوب اچھی طرح جان لو کہ جنت چمکتی تلواروں تلے ہے۔

پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ بن زیدؓ سے فرمایا کہ اللہ کے نام پر جاؤ،چنانچہ وہ آپ کے پاس سے بندھا ہوا پرچم لے کر نکلے اور اسے حضرت بریدہ بن الحصیبؓ کو دیا،جسے لے کر وہ حضرت اسامہ کے گھر تک گئے،رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ کو حکم دیا تھا کہ ''جُرف'' کے مقام پر (جو مدینہ منورہ سے تین میل کے فاصلہ پر ہے) اپنے لشکر کو اکٹھا کریں،اس لشکر میں سر برآوردہ صحابہ کرام کو شرکت کا حکم دیا گیا تھا جن میں حضرت عمر،حضرت ابوعبیدہ بن الجراح،حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہم بھی تھے،بلکہ واقدی اور ابن سعد نے حضرت ابوبکرؓ کا نام بھی ذکر کیا ہے۔

بعض مہاجرین صحابہ نے حضرت اسامہ کی کم سنی کی وجہ سے ان کی امارت پر طعن کیا کہ اس لڑکے کو مہاجرین اولین پر امیر مقرر کردیا گیا ہے،اور لوگوں میں بہت چہ می گوئیاں ہونے لگی،حضرت عمرؓ نے بھی بعض کو ایسی بات کہتے سنا تو اس کا جواب دیا اور جا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی اس سے باخبر کیا،نبی صلی اللہ علیہ وسلم یہ سن کر بہت سخت غضب ناک ہوئے،چونکہ آپ کی بیماری (مرض الوفات) شروع ہو چکی تھی،سر پر پٹی باندھ کر نکلے اور منبر پر تشریف فرما ہو کر اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا:

> اے لوگو! اسامہ بن زید کو میرے امیر بنانے پر اگر تم لوگوں نے طعن کیا ہے تو ان کے والد کے میرے امیر بنانے پر بھی تم لوگ اس سے پہلے طعن کر چکے ہو،بخدا وہ امارت کے لائق تھے،اور ان کے بعد ان کا لڑکا بھی امارت کے لائق ہے،اور وہ میرے نزدیک سب سے محبوب لوگوں میں سے تھے،اور یہ اسامہ بھی میرے نزدیک سب سے محبوب لوگوں میں سے ہے،اور یہ دونوں بھلائی اور نیکی کے اہل ہیں،

لٰہذا تم لوگ اسامہ کے ساتھ اچھا سلوک کرو، کیونکہ وہ تمہارے بہترین اور نیک لوگوں میں سے ہے"۔

اور پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم منبر سے اتر کر گھر میں تشریف لے گئے اور یہ ۱۰ ربیع الاول سنیچر کے دن کی بات ہے۔

حضرت اسامہ کے ساتھ روانہ ہونے والے لوگ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مل کر رخصت ہورہے تھے اور آپ یہی فرماتے کہ اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو، حضرت ام ایمن رضی آپ کے پاس آئیں اور عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! جب تک آپ صحت یاب نہیں ہوجاتے اس وقت تک اسامہ کو اپنے لشکر گاہ میں ٹھہرنے کی اجازت مرحمت فرمادیجئے، اس لئے کہ اسامہ اگر اسی حال میں چلے جاتے ہیں تو وہ اپنے آپ سے فائدہ نہیں اٹھاسکیں گے، اس پر بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہی فرمایا کہ: اسامہ کے لشکر کو روانہ کرو، چنانچہ لوگ لشکر گاہ کی جانب کوچ کرنے لگے اور اتوار کی رات وہیں گزاری اور اتوار کی جب صبح ہوئی تو حضرت اسامہ رضی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم سخت بیمار تھے، آپ پر بے ہوشی طاری ہوجایا کرتی تھی، اور یہ وہی دن ہے جس میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے گھر والوں نے آپ کے منع کرنے کے باوجود "لدود" کیا تھا (یعنی حلق میں دوا ٹپکائی تھی)، حضرت اسامہ آپ کے پاس پہونچے تو ان کی آنکھوں سے آنسوؤں کی جھڑی لگی ہوئی تھی، جھک کر آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم بول نہیں پارہے تھے، اسی حال میں اپنے ہاتھ آسمان کی طرف اٹھاتے اور اسامہ کے اوپر رکھتے رہے، حضرت اسامہ فرماتے ہیں کہ میں یہ سمجھتا ہوں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم میرے لئے دعا فرمارہے تھے۔

پھر حضرت اسامہ اپنے لشکر گاہ (جُرف) میں واپس آگئے، دوشنبہ کے دن پھر آپ سے ملنے کے لئے آئے، آج آپ کو افاقہ اور راحت محسوس ہورہی تھی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت اسامہ سے فرمایا کہ: اللہ کی برکت پر روانہ ہوجاؤ۔

حضرت اسامہ لشکر گاہ کے لئے روانہ ہوگئے اور لوگوں میں وہاں پہونچنے کا اعلان کردیا اور وہاں پہونچ کر جب کہ دن خوب چڑھ چکا تھا کوچ کا حکم دیا اور خود بھی سوار ہوکر جُرف سے روانہ ہی ہوا چاہتے تھے کہ آپ کی والدہ حضرت ام ایمن رضی کا قاصد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی حالت نازک ہونے کی خبر لے کر پہونچ گیا، حضرت اسامہ اور دوسرے صحابہ مدینہ منورہ پہونچے تو نبی صلی اللہ علیہ وسلم اپنی جان اپنے مولی کو نثار فرمارہے تھے اور آپ کی وفات ہوئی تو زوال کا وقت ہوچکا تھا۔ (مغازی الواقدی)

نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کے بعد حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو آپ کا خلیفہ نامزد کیا گیا، جب کہ عرب کے بہت سے قبائل مرتد ہو گئے تھے، اس لئے بہت سے صحابۂ کرام نے حضرت ابوبکرؓ سے لشکر اسامہ کو فی الحال نہ بھیجنے کی درخواست کی اور مدینہ منورہ پر دشمنوں کے حملہ کا اندیشہ ظاہر کیا، اس پر حضرت ابوبکرؓ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دیا اور اس میں اللہ کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ: بخدا پرندے مجھے نوچ ڈالیں یہ مجھے اس کے مقابلہ میں زیادہ پسند ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم کو نافذ کرنے سے پہلے کوئی اور کام شروع کروں، البتہ میں حضرت اسامہ سے حضرت عمر کے بارے میں گفتگو کروں گا کہ انہیں میرے پاس چھوڑ دیں، اس لئے کہ ہمیں ان کی ضرورت ہے، اگر وہ خوش دلی سے اجازت دیں گے تو ٹھیک ہے ورنہ میں انہیں مجبور نہیں کروں گا، حضرت اسامہ نے حضرت عمر کو رکنے کی اجازت دے دی۔

پھر حضرت ابوبکرؓ کے منادی نے اعلان کیا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات میں جن لوگوں کو اس جنگ میں جانے کا حکم تھا ان میں سے کوئی پیچھے نہ رہے، چنانچہ کوئی پیچھے نہ رہا اور تین ہزار پر مشتمل یہ لشکر جس میں ایک ہزار گھوڑ سوار تھے روانہ ہوا، اس لشکر کو بیس دن جانے میں اور پندرہ دن واپسی میں لگے، اور جب یہ لشکر ملک شام کے قریب پہونچا تو وہاں زبردست کہر تھی، جس کے ذریعہ اللہ نے انھیں چھپا دیا تھا اور دشمن کو ان کی بالکل بھی خبر نہ ہوسکی اور اسی بے خبری میں یہ لشکر صبح کے وقت ان پر حملہ آور ہوا، اور جو بھی سامنے آیا اسے قتل کر ڈالا، اور دو آدمی قید کئے گئے بعد میں جن کا سر قلم کر دیا گیا، اس لشکر کو حکم تھا کہ دشمنوں کے دل میں خوف اور دہشت پیدا کرنے کے لئے جنگ میں ان کو زیادہ سے زیادہ زخمی کریں اور ان کے جسموں کے ٹکڑے کر ڈالیں۔

چنانچہ لشکر فتحیاب ہو کر اور بہت سارا مال غنیمت لے کر واپس ہوا، اور مسلمانوں کے لشکر کے کسی شخص کو زخم تک نہیں آیا، عروہ فرماتے ہیں کہ اس لشکر سے زیادہ سلامت اور محفوظ کوئی لشکر نہیں دیکھا گیا۔

اس جنگ میں حضرت اسامہؓ سبحہ نامی اپنے والد کے اُس گھوڑے پر سوار تھے جس پر ان کے والد شہید ہوئے تھے اور حضرت اسامہ نے اپنے والد کے قاتل کو بھی اس جنگ میں قتل کیا۔

اس لشکر کی سلامتی اور فتح یابی کی خبر سن کر خوشی سے حضرت ابوبکرؓ اور اہلِ مدینہ نے باہر نکل کر ان لوگوں کا استقبال کیا۔

ہرقل شاہ روم کے پاس حضرت اسامہ کے حملہ اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات کی خبر ایک ساتھ پہونچی تو روم کے لوگ کہنے لگے کہ ان لوگوں نے اپنے نبی کی موت کی بھی پرواہ نہیں کی یہاں تک کہ ہمارے ملک پر حملہ کرڈالا۔

اس وقت حضرت اسامہ کی عمر ۱۸/سال تھی، بعض نے ۱۹/سال اور بعض نے ۲۰/سال بھی ذکر کی ہے۔

حضرت عمرؓ آپ کو برابر امیر کہہ کر پکارا کرتے تھے اور فرماتے تھے کہ ''میں اسامہ کے علاوہ کسی اور کو امیر کہہ کر پکارنے والا نہیں ہوں، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوا تو اسامہ ہی ہمارے امیر تھے''۔ (مغازی الواقدی ۲/ ۳۷۴-۹۷۴، طبقات ابن سعد ۴/ ۶۵-۷۲، سبل الہدیٰ والرشاد ۶/ ۲۴۸-۲۵۱)

حلیہ واخلاق

حضرت اسامہؓ کا رنگ بالکل سانولا، ناک چپٹی، پیٹ بڑھا ہوا تھا، آپ بڑے خوش مزاج، ملنسار، بہت ہی ہوشیار وسمجھدار، انتظامی صلاحیتوں کے مالک اور بہادر ونڈر تھے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود آپ کی تربیت فرمائی تھی۔ (سیر أعلام النبلاء ۲/ ۴۹۸، طبقات ابن سعد ۴/ ۷۱، اسد الغابۃ ۱/ ۱۹۶)

وفات

آپ کی وفات حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کی خلافت کے آخری زمانہ ۵۸ھ یا ۵۹ھ میں ہوئی اور کہا گیا ہے کہ ۵۴ھ میں ہوئی اور ابن عبد البر کے نزدیک یہی اصح ہے، آپ کی وفات جُرف کے مقام پر ہوئی اور جنازہ اٹھا کر مدینہ منورہ لایا گیا۔ (اسد الغابۃ ۱/ ۱۹۶، طبقات ابن سعد ۴/ ۷۲)

تعمیر حیات

معاشرے کی تشکیل میں والدین کا کردار

مولانا محمد جسیم الدین رحمانیؔ
امارت شرعیہ پھلواری شریف پٹنہ

اللہ تعالیٰ نے زمین پر انسان کو ’’اشرف المخلوقات‘‘ بنا کر بھیجا ہے، اسے یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنے رب کی اطاعت وفرماں برداری کے دائرے میں رہ کر اپنے دنیوی معاملات، خواہ اقتصادی ہوں یا سیاسی، اجتماعی ہوں یا انفرادی، علمی ہوں یا ثقافتی کے لیے مفید اور مؤثر ذرائع اختیار کرے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کا حکم بھی دیا اور عملی نمونہ بھی پیش کیا۔ آپ کی ذات والا صفات نے اپنے افعال واعمال اور اخلاق وکردار کا جو مقدس اور ابدی نمونہ چھوڑا ہے وہ تا قیامت آنے والی انسانیت کی اخلاقی، دینی، سیاسی، اقتصادی، ثقافتی، انفرادی اور اجتماعی زندگی کی تنظیم وتعمیر میں کلیدی کردار ادا کرے گا اور ہر خطے میں اسوۂ نبوی صالح معاشرے کی تشکیل کے لیے خشت اول کی حیثیت رکھے گا۔

اسلامی معاشرے کی تعمیر وتشکیل کے لیے بروئے کار لایا جانے والا عمل ہر دور اور ہر جگہ میں تین دائروں میں منقسم رہا ہے:

پہلا دائرہ گھریلو زندگی کا ہے، جس کی ذمہ داری والدین اور گھر کے بڑوں پر عائد ہوتی ہے، جس میں سب سے مقدم ’’باپ‘‘ ہوتا ہے، اس کے بعد ’’ماں‘‘ ہوتی ہے، جو دراصل گھر کی حقیقی نگراں اور تمام امور کی دیکھ بھال کرنے والی ہوتی ہے، بچے کی پہلی تربیت گاہ جہاں اس کی شخصیت کی ابتدائی تعمیر وتشکیل ہوتی ہے، گھریلو زندگی ہے، یہیں سے اس کے اندر اسلامی عقائد وخیالات اور اخلاقی قدروں کی محبت جا گزیں ہوتی ہے اور یہ سب کچھ والدین کی سرپرستی میں ہوتا ہے۔

دوسرا دائرہ مدرسہ کا ہے، جب بچہ نشو ونما کے ابتدائی مرحلے سے گزر جاتا ہے اور اس کی شخصیت کے ابتدائی خط وخال ابھر آتے ہیں تو وہ مدرسہ کی چہار دیواری میں قدم رکھتا ہے، پھر وہاں اسے زندگی کے حقائق ومسائل کی شُدبُد حاصل ہوتی ہے اور وہ تمام چیزیں سیکھتا ہے، جس کا مستقبل کی زندگی سے گہرا تعلق ہوتا

ہے، یہیں پر اس کی تربیت اور شخصیت کی تعمیر وتشکیل پایہ تکمیل کو پہنچتی ہے۔

تیسرا دائرہ عام اجتماعی مسائل کا ہے، جسے معاشرتی دائرہ بھی کہہ سکتے ہیں، اس میں انسان اس وقت داخل ہوتا ہے، جب مدرسے سے فارغ ہوجاتا ہے، یہاں تہذیب ومعاشرہ کے مسائل سے دوچار ہوتا ہے اورانہیں قریب سے دیکھتا ہے، عمل کے میدان سے گزرتا ہے، تجربات ومشاہدات کے مراحل سے گزرتا ہے، یہاں تک کہ اس کی شخصیت اس میں گھل مل جاتی ہے بلکہ ڈھل جاتی ہے، حتی کہ وہ معاشرے کی عظیم عمارت کی ایک اینٹ بن جاتا ہے۔

بچے کی تربیت کا اہم میدان: گھریلو ماحول

تربیت کے مذکورہ تینوں دائروں میں سب سے زیادہ متاثر کرنے والا اور صلاحیتوں کو پروان چڑھانے والا گھریلو ماحول کا دائرہ ہے، جس کی نگرانی والدین کرتے ہیں، ماں براہ راست اس میں دخل انداز ہوتی ہے اور باپ جو پورے خاندان کی کفالت کرتا ہے، وہی اس کی نگرانی کی اساس اور اصل روح ہوتا ہے، یہ روح ابتدائی مرحلے میں پورے طور پر جاری وساری ہوتی ہے، بچہ اس مرحلے میں اس نرم گندھی مٹی کی طرح ہوتا ہے جسے انفرادیت اور اجتماعیت کے کسی قالب میں ڈھالا جاسکتا ہے، جس طرح کمہار نہایت صفائی اور کاری گری کے ساتھ گندھی ہوئی مٹی سے مختلف قسم کے کھلونے اور برتن بناتا ہے۔ بچے کی اسی اٹھان اور صلاحیت کی جانب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس حدیث پاک میں اشارہ فرماتے ہیں:

ہر بچہ اسلام کی فطرت پر پیدا ہوتا ہے، پھر اس کے ماں باپ اسے مجوسی، یہودی اور نصرانی بنا ڈالتے ہیں۔

بچوں کی اس عمر کی اسی اہمیت کے پیش نظر حدیث پاک میں جگہ جگہ بچے کی تربیت اور تادیب وتنبیہ اور نماز سے غفلت برتنے پر زجر وتوبیخ کی تاکید آئی ہے۔ تجربات ومشاہدات بھی بتاتے ہیں کہ بچپن میں جس کی نماز کی عادت پڑ گئی، وہ زندگی بھر نماز کا پابند رہا۔

بچے کی طبیعت اور اس کی نفسیات اپنے گھریلو ماحول میں اردگرد کے واقعات، والدین کی نقل وحرکت اور اہل خانہ کے اعمال وافعال سے بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے، اس کی اولین کوشش یہ ہوتی ہے کہ وہ جو کچھ دیکھ سن رہا ہے، اسے سمجھے اور جس کو پسند کرتا ہے اس کی نقالی کرے، کیوں کہ وہ اس دنیا میں نیا ہوتا ہے، اپنے اردگرد کی تمام چیزوں کو زندگی میں پہلی بار دیکھتا ہے اور کائنات کے رنگا رنگ مظاہر اور گونا

گوں مناظر، میں غایت درجہ دلچسپی لیتا ہے، اپنے والدین کی محبت ونگرانی کے سائے تلے ان مظاہر ومناظر کا مشاہدہ اور مطالعہ کرتا ہے، ان کی باتوں کو سنتا ہے اورنئی زندگی کے متعلق ان کی ہدایات وتوجیہات کو قبول کرتا ہے، ان کے افعال واعمال اور اخلاق وکردار کے ساتھ اپنے آپ کو ہم آہنگ کرنے کی کوشش کرتا ہے۔

اہل بصیرت اپنے بچوں کی تعلیم وتربیت اور زندگی کے اس نازک مرحلے میں اس کی اسلامی شخصیت کی تعمیر وتشکیل پر جو توجہ صرف کرتے ہیں، اس کا راز بھی یہی ہے کہ بچہ اس مرحلہ میں آسانی کے ساتھ ان کے نقش قدم پر چلنے لگتا ہے، اسے جس راہ میں لگایا جاتا ہے، لگ جاتا ہے، سوائے اس صورت کے کہ اس کی نفسیات وعقلیات کے سمجھنے میں غلطی کی جائے۔

کیوں کہ جو بات بچے کی محدود عقل سے بالاتر یا اس کے طبعی قویٰ سے میل نہ کھاتی ہو اس سے مطلوبہ نتائج حاصل نہیں ہوتے، بلکہ بسا اوقات اس کے الٹے اثرات مرتب ہوتے ہیں اور اس کا ذہن بغاوت وسرکشی پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اب اگر بچپن میں ان کی کھل کر مخالفت نہ کر سکا، تو جب سن شعور کو پہنچے گا اور ان کی گرفت سے آزاد ہوگا تو علانیہ کھلم کھلا ان کی مخالفت کرے گا اور گھریلو ماحول میں جو کچھ بھی سکھایا، پڑھایا گیا تھا، اس پر پانی پھیر دے گا، نتیجتاً والدین کی تمام محنتیں اور مشقتیں رائیگاں جائیں گی، لہٰذا بچوں کو مخاطب کرتے وقت ان کی محدود عقل وفہم کا پورا لحاظ رکھنا چاہیے، کیوں کہ اس عمر میں ان کے اندر پیچیدہ اور الجھے ہوئے مسائل کے سمجھنے کی صلاحیت کا فقدان ہوتا ہے۔

بچوں کی تربیت میں ماں کی اہمیت

ماں بچے کی صحیح پرورش اور اس کے اخلاقی سدھار میں باپ سے زیادہ اہمیت کی حامل ہوتی ہے، کیوں کہ ماں، بچے کی فطری ضروریات اور مسائل سے زیادہ باخبر ہوتی ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ بچے کو زیادہ سے زیادہ آرام وسکون بھی پہنچاتی ہے، بچہ دیکھتا ہے کہ ماں اس کی راحت وآسائش اور اس کی طفلی خواہشات وجذبات کا سب سے زیادہ خیال رکھتی ہے اور وہی اس سے سب سے زیادہ شفقت ومحبت رکھتی ہے، اس لیے اس کی نظر میں ماں کی شخصیت بہت عظیم ہوتی ہے، وہ اس کی باتوں کو قبول کرتا ہے اور اس کی پوری زندگی پر ماں کی سحر انگیز شخصیت کی گہری چھاپ ہوتی ہے۔ تاریخ کی بہت سی اہم شخصیات کی تعمیر وتشکیل میں جہاں اور عناصر وعوامل کا ذکر کیا گیا ہے، وہیں ماں کی بے پناہ مامتا ومحبت اور اس کی مشفقانہ تربیت وراہ

نمائی کا بھی خاص طور سے ذکر کیا گیا ہے۔

معاشرے کی ثقافتی اقدار وروایات کے تحفظ اور اس کی دیکھ بھال میں ماں کا اہم کردار ہوتا ہے، وہ گھر کی بے تاج ملکہ ہوتی ہے اور پہلے ہم بتا چکے ہیں کہ گھر ہی میں دراصل انسانوں کی وہ نسل تیار ہوتی ہے، جو مستقبل میں زندگی کی باگ سنبھالتی ہے۔ اسلامی تاریخ میں بھی مسلم ماؤں نے بڑا شان دار کردار ادا کیا ہے، چناں چہ اگر بڑی بڑی اسلامی شخصیات کا جائزہ لیا جائے تو وہاں بھی ایک پختہ عزم ویقین کی مالکہ اور راسخ العقیدہ مومنہ کا ہاتھ نظر آتا ہے۔

والدین اپنے بچوں کو کیا سبق دیں؟

بچوں کو سنسنی خیز، عجیب وغریب اور دلچسپ کہانیاں سننے کا بے حد شوق ہوتا ہے، ہوشیار والدین بچوں کی اس فطری خواہش کو ان کی دینی اور اسلامی تربیت اور اخلاقی اقدار وتصورات کی تعمیر وتشکیل کے لیے استعمال کرتے ہیں، اس سلسلے میں انبیائے کرام، مجاہدین اسلام، مسلم فاتحین وسلاطین اور اولیاء اللہ کے حالات وواقعات بہت مفید ہوسکتے ہیں، اسی طرح والدین کو چاہیے کہ بچوں کے سامنے کوئی ایسا کام نہ کریں، جس سے اس کی نظر میں اعلیٰ اخلاقی قدروں کی اہمیت کم ہوجائے، والدین کو ہمیشہ یہ بات ذہن نشین رکھنی چاہیے کہ بچے کا ذہن اس صاف وشفاف سادہ ورق کی طرح ہے جس پر بھیگی ہوئی تحریر کا بھی عکس اتر آتا ہے، خواہ تحریریں اچھی ہوں یا بری، اسی طرح والدین کو اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ بچہ دوسروں کی برائیوں اور بد اخلاقیوں کو دیکھنے نہ پائے اور اگر ایسا کوئی موقع آجائے تو اسے سمجھائیں اور اسے یہ باور کرائیں کہ اس کو اختیار کرنے سے اخلاقی معیار گرجاتا ہے، ایسے لوگ معاشرے میں اچھی نظروں سے نہیں دیکھے جاتے اور نہ ہی ان کا یہ کام قابل تقلید ہوتا ہے۔

مغربی تہذیب کا ایک المیہ

یہاں پر ایک خاص چیز قابل توجہ ہے، وہ یہ کہ آج کی جدید مغربی تہذیب وتمدن نے دنیا کے بہت سے معاشروں کو اپنی گرفت میں لے لیا ہے، جس کے نتیجے میں ان معاشروں کے افراد کی زندگی گونا گوں مسائل میں الجھ کر رہ گئی ہے، اس کا نتیجہ یہ ہے کہ والدین کو بچوں کی تربیت اور مناسب دیکھ بھال کی فرصت ہی نہیں ملتی، وہ ہر وقت روزی، روٹی کی فکر میں لگے رہتے ہیں، روزانہ صبح سویرے گھر سے رزق کی

تلاش وجستجو میں نکل جاتے ہیں اور اپنے عزیز کے احوال وافعال واعمال اور اخلاقی اقدار سے صرف نظر کر لیتے ہیں، جس کا ثمرہ یہ ظاہر ہوتا ہے کہ معاشرہ ہماری ترجمانی کرنے والی اعلی اخلاقی قدروں سے محروم اور تہذیب وتمدن سے عاری رہ جاتا ہے، اس لیے والدین کو چاہیے کہ اولاد کے رجحانات ونظریات کو ضرور پرکھیں اور اس کی مکمل رعایت کریں۔

سب سے پہلے دینی تعلیم کی ضرورت

آج بہت سے والدین اپنے بچوں کو دنیاوی تعلیم کی غرض سے ابتدا ہی سے ایسے اسکولوں میں داخل کر دیتے ہیں، جہاں کا ماحول دین سے بیزار ہوتا ہے اور گھر پر بھی لاڈلوں کی دینی تعلیم اور اسلامی تربیت کی فکر نہیں کرتے، ان کے لیے کتنی بڑی محرومی کی بات ہے کہ کل وہ بچے بڑے ہوں گے، ذمہ دار ہوں گے، صاحب اولاد ہوں گے، لیکن اسلام کے تقاضوں سے ناواقف اور اخلاقی اقدار سے محروم ہوں گے اور یہی دشمنان اسلام کی اولین خواہش ہے۔

دشمنانان اسلام، نونہالوں کے اخلاق وعقائد کے بگاڑنے اور انہیں اسلامی شریعت سے برگشتہ کرنے کی نت نئی سازشیں کر رہے ہیں اور ریڈیو، ٹیلی ویژن، ڈش انٹینا، انٹرنیٹ، فیس بک، یوٹیوب، ٹک ٹاک اور فحش لٹریچر کے ذریعے ان کے اخلاق وکردار کو برباد کرنے کی ان تھک کوشش کر رہے ہیں، ایسی صورت میں مسلمان ماں باپ کی سب سے اہم ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی دینی تربیت کی فکر کریں اور انہیں ضائع ہونے سے بچائیں، بھلا اس سے بڑھ کر ضائع کرنا کیا ہوگا اور اس سے زیادہ خطرے اور نقصان کی بات کیا ہوگی کہ بچوں کے دلوں میں انحراف اور زیغ وضلال پیدا ہو جائے اور وہ راہ راست سے ہٹ کر اسلام کی مخالفت شروع کر دیں، ان کا دل، عقل، قوت فکر اور اخلاق برباد ہو جائیں، لہٰذا والدین کی اولین ذمہ داری یہ ہے کہ وہ اپنے بچوں کی اسلامی اور اخلاقی تربیت کریں۔

اسلام ہی ایسا عالم گیر مذہب اور مکمل دین ہے جس کا ہر پہلو روشن ہے، جس میں تعلیم وتربیت کا بہترین نظام ہے، جس کو اپنائے بغیر انسان صالح معاشرے کی تشکیل میں موثر کارنامہ انجام نہیں دے سکتا۔ اس لیے اسے اپنانا وقت کی اہم ضرورت ہے۔

اصلاحِ معاشرہ

شراب اور منشیات کی تباہ کاریاں

مفتی محمد قاسم اوجھاری

ہر عقل مند شخص جانتا ہے کہ انسانیت کا مدار عقل وفراست پر ہے، عقل ہی انسان کو دیگر جانداروں سے ممتاز کرتی ہے، اسی عقل سے آدمی اچھے اور برے میں تمیز کرتا ہے، نفع ونقصان کا احساس کر کے نفع بخش چیزوں کو اختیار کرتا ہے اور نقصان دہ چیزوں سے اپنے آپ کو بچاتا ہے، بلکہ اگر غور کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ انسان کی ساری سرگرمیاں عقل و دانش کے ارد گرد ہی گھومتی ہیں، اور اگر یہ کہا جائے تو بجا ہوگا کہ اگر عقل ہے تو انسان ہے، اور اگر عقل نہیں تو انسان نہیں۔ اور جو چیز عقل کو ہی ضائع کردے اس سے زیادہ تباہ کن چیز کیا ہوسکتی ہے؟ یہ بات بالکل واضح ہے کہ نشہ سے عقل انسانی ماؤف ہوجاتی ہے، آدمی اچھے اور برے میں تمیز کی صلاحیت سے محروم ہوجاتا ہے، حتی کہ پانی اور پیشاب، بیوی اور بہن کے درمیان بھی تمیز نہیں کر پاتا، بسا اوقات گھر اور راستے کے درمیان بھی فرق نہیں کرتا، چناں چہ کتنے ہی نشہ باز سڑکوں پر پڑے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔

اسلام انسانیت کی تذلیل کبھی برداشت نہیں کرتا، اسلام ایک دین فطرت ہے، اسلامی تعلیمات انسانیت کی بقا کی ضامن ہیں، اسلام نے نشہ اور شراب کو ام الخبائث قرار دیا ہے، کیوں کہ جب عقل ٹھکانے ہوگی تب ہی آدمی برائیوں سے بچے گا، اور جب عقل ہی جاتی رہے اور آدمی نشے میں مدہوش ہوجائے تو پھر وہ کوئی بھی غلط کام بآسانی کرسکتا ہے۔

آج معاشرے میں جو گناہ بکثرت پھیل رہے ہیں ان میں شراب نوشی اور منشیات سرفہرست ہیں، نشے نے انسانی معاشرے کو تباہ کر کے رکھ دیا ہے، لوگ اس کے چند وقتی اور ظاہری فائدے دیکھ کر اس کی طرف لپکے جارہے ہیں، جب کہ اس کے دائمی اور تباہ کن مفاسد کو بھی بغور دیکھنا چاہیے۔ بدن انسانی پر شراب کے بے شمار نقصانات ہیں۔ شراب رفتہ رفتہ معدے کے فعل کو فاسد کردیتی ہے، کھانے کی خواہش کم کردیتی ہے، چہرے کی ہیئت بگاڑ دیتی ہے، پیٹ کو بڑھا دیتی ہے، مجموعی حیثیت سے تمام قوی پر اس کا اتنا اثر پڑتا ہے کہ جو شخص شراب کا عادی ہو چالیس سال کی عمر کے قریب اس کے بدن کی ساخت بوڑھی عورت کی طرح ہوجاتی ہے،

وہ جسمانی طاقت وقوت کے اعتبار سے انتہائی کمزور ہوجاتا ہے، جگر اور گردے خراب ہوجاتے ہیں، سل کی بیماری شراب کا خاص اثر ہے، یورپ کے شہروں میں سل کی کثرت کا بڑا سبب شراب ہی کو بتایا گیا ہے، وہاں کے بعض ڈاکٹروں کا کہنا ہے کہ یورپ میں آدھی اموات سل کے مرض میں ہوتی ہیں۔

عقل پر شراب کا اتنا اثر پڑتا ہے کہ جب تک اس کا نشہ رہتا ہے عقل کام نہیں کرتی، ماہرین اور ڈاکٹروں کی تحقیق ہے کہ نشے کی عادت قوت عاقلہ کو بھی کمزور کردیتی ہے، جس کا اثر ہوش میں آنے کے بعد بھی رہتا ہے، بعض اوقات جنون تک اس کی نوبت پہنچ جاتی ہے۔ اطباء اور ڈاکٹروں کا اتفاق ہے کہ شراب نہ جزؤ بدن بنتی ہے اور نہ اس سے خون بنتا ہے کہ جس کی وجہ سے بدن میں طاقت آئے، بلکہ وہ صرف خون میں ہیجان پیدا کرتی ہے، جس سے صرف وقتی طور پر قوت کی زیادتی محسوس ہوتی ہے، لیکن یہی خون کا دفعتاً ہیجان بعض مرتبہ دل کا دورہ کی شکل میں موت کا سبب بن جاتا ہے۔ شراب کے ذریعے وہ رگیں سخت ہوجاتی ہیں جن کے ذریعے سارے بدن میں روح پہنچتی ہے، جس کی وجہ سے بڑھاپا جلد آتا ہے۔ شراب کا اثر انسان کے حلقوم اور تنفس پر بھی پڑتا ہے، جس کی وجہ سے آواز بھاری ہوجاتی ہے، دائمی کھانسی ہوجاتی ہے۔ شراب کا اثر نسل انسانی پر بھی پڑتا ہے، چناں چہ شرابی کی اولاد کمزور رہتی ہے، اور بعض مرتبہ اس کا نتیجہ قطع نسل تک پہنچ جاتا ہے۔ شراب ایک ایسا زہر ہے جس کا اثر تدریجی طور پر ظاہر ہونا شروع ہوتا ہے اور کچھ عرصے کے بعد تمام نقصانات ظاہر ہوجاتے ہیں۔

شراب کا ایک بڑا تمدنی مفسدہ یہ ہے کہ وہ اکثر لڑائی جھگڑے کا سبب بنتی ہے، جس کے نتیجے میں بغض وعداوت اور دشمنی پھیل جاتی ہے۔ ایک بڑی خرابی یہ ہے کہ مدہوشی کے عالم میں بعض مرتبہ آدمی اپنے پوشیدہ راز بھی بیان کرڈالتا ہے۔ اسی طرح شرابی ایک کھلونا بن جاتا ہے جس پر لوگ ہنستے ہیں اور اس کو اپنی ٹھوکروں سے روندتے ہیں، اس کا کلام اور اس کی حرکات سب غیر متوازن ہوجاتی ہیں۔ شراب ایسی ام الخبائث ہے جو انسان کو تمام برے کام اور جرائم پر آمادہ کرتی ہے، زنا اور قتل وغیرہ اسی کے نتائج ہیں، یہی وجہ ہے کہ عام شراب خانے زنا اور قتل کے اڈے ہوتے ہیں۔ شراب کے مالی مضرات اور نقصانات بھی بے شمار ہیں، جس کو ہر شخص بخوبی جانتا ہے، کسی بستی میں اگر کوئی شراب خانہ کھل جاتا ہے تو پوری بستی کی دولت کو سمیٹ لیتا ہے۔ الغرض شراب اور منشیات کے بے شمار نقصانات ہیں، جن کا احاطہ دشوار ہے۔

جرمنی کے ایک ڈاکٹر کا یہ مقولہ مشہور ہے کہ: اگر آدھے شراب خانے بند کر دیے جائیں تو میں ضمانت لیتا ہوں کہ آدھے شفاخانے اور آدھے جیل خانے بے ضرورت ہو کر بند ہو جائیں گے۔

لیکن افسوس یہ ہے کہ آج انسانیت کی ٹھیکے دار کہی جانے والی قومیں شراب اور منشیات کو عام کر کے انسانیت کو تار تار کر رہی ہیں۔ آج کے نئے دور میں نشہ کرنا اور شراب پینا کوئی عیب نہیں رہا ہے، بلکہ فیشن بن گیا ہے۔ جگہ جگہ شراب کے اڈے قائم ہیں، ہوٹلوں حتیٰ کہ چائے کی دکانوں پر بھی شرابیں بآسانی دستیاب ہیں۔

عجیب بات یہ ہے کہ وقتاً فوقتاً حکومتوں کی طرف سے نشہ بازی کے خلاف اشتہارات شائع ہوتے رہتے ہیں، منشیات کی تباہ کاریوں کو بیان کیا جاتا ہے اور شراب نوشی پر لگام کسنے کی باتیں کی جاتی ہیں، لیکن دوسری طرف باقاعدہ شراب بیچنے کے لائسنس جاری ہوتے ہیں، آئے دن نئی نئی دکانیں کارخانے اور فیکٹریاں قائم کی جاتی ہیں، اور شراب پر بھاری ٹیکس وصول کر کے سرکاری خزانے میں جمع کیا جاتا ہے۔

اسلام اس دورخی پالیسی کا قائل نہیں ہے، اسلام برائی کو جڑ سے مٹانے کی بات کرتا ہے، چناں چہ شراب اور منشیات کے بارے میں اسلام کا واضح اور مضبوط موقف ہے کہ شراب ہو یا دیگر نشہ آور چیزیں، سب ممنوع اور حرام ہیں۔ حتیٰ کہ اسلام نے شراب اور منشیات کی خرید و فروخت اور ان کی دکانیں، کارخانے اور فیکٹریاں وغیرہ بنانے کو بھی ممنوع اور قابل تعزیر جرم قرار دیا ہے۔ اسلام اس منافقت کو کبھی برداشت نہیں کرتا کہ ایک طرف باقاعدہ شراب بنانے اور فروخت کرنے کی اجازت ہو اور دوسری طرف شراب کی بوتلوں پر اس کے نقصانات کی صرف تنبیہ لکھ دی جائے، یا اشتہارات جاری کر دیے جائیں۔ اس طریقے سے کبھی شراب اور منشیات کا رواج ختم نہیں ہو سکتا ہے۔ اسی دوہرے رویہ کی وجہ سے دنیا میں نشہ بازوں کی روز بروز کثرت ہوتی جا رہی ہے۔ حکومتوں کو اپنا یہ رویہ بدلنا چاہیے، تا کہ معاشرے کو اس قبیح لعنت سے نجات مل سکے۔

اصلاحِ حال

اصلاحِ نفس کی ضرورت

مولانا محمد عاشق الٰہی صاحب بلندی شہریؒ

تکبر اور غرور کی مذمت

تکبر بری بلا ہے، یہی ابلیس کے ملعون ہونے کا سبب بنا ہے قرآن مجید میں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے :

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُحِبُّ مَن کَانَ مُختَالاً فَخُوراً (سورۃ النساء) بے شک اللہ دوست نہیں رکھتا اُس شخص کو جو اپنے آپ کو بڑا سمجھے اور شیخی کی باتیں کرے۔

اس آیت میں ان لوگوں کی مذمت فرمائی ہے جو اپنے آپ کو بڑا سمجھتے ہیں اور دوسروں کو حقیر جانتے ہیں، فخر، کبر اور نخوت کے نشے میں بھرے رہتے ہیں۔ لفظ ''مختال'' خیلاء سے ماخوذ ہے اور باب افتعال سے اسمِ فاعل کا صیغہ ہے، یہ لفظ اپنے کو بڑا سمجھنے، اِترانے، آپے میں پھولے نہ سمانے کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اپنے کو بڑا سمجھنا یہ دل کا بہت بڑا روگ ہے اور اکثر گناہ اسی وجہ سے ہوتے ہیں، شہرت کا طالب ہونا، اعمال میں ریا کاری کرنا، بیاہ شادی میں دنیاداری کی رسمیں برتنا اور یہ خیال کرنا کہ ایسا نہ کیا تو ''لوگ کیا کہیں گے؟''۔۔۔ یہ سب تکبر ہے۔

ناحق پر اصرار کرنا، حق کو ٹھکرانا، غلط بات کہہ کر غلطی واضح ہوجانے پر حق قبول نہ کرنا، شریعت پر چلنے میں خفت محسوس کرنا، گناہوں کو اس لیے نہ چھوڑنا کہ معاشرے والے کیا کہیں گے، یہ سب تکبر سے پیدا ہونے والی چیزیں ہیں۔ ایک صحابی نے عرض کیا:

> یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) ایک آدمی پسند کرتا ہے کہ اُس کا کپڑا اچھا ہو، جوتا اچھا ہو کیا یہ تکبر ہے؟ آپ نے فرمایا اللہ جل شانہٗ جمیل ہے جمال کو پسند فرماتا ہے، تکبر یہ ہے کہ حق کو ٹھکرائے اور لوگوں کو حقیر جانے۔ (مسلم شریف، کتاب الایمان، رقم الحدیث: ۱۴۷)

''مختال'' کی مذمت کے ساتھ ''فخور'' کی مذمت بھی فرمائی ہے، لفظ ''فخور'' فخر سے ماخوذ ہے، شیخی بگھارنا، اپنی جھوٹی تعریفیں کرنا، لفظ فخر اس سب کو شامل ہے، بہت سے لوگوں کو یہ مرض بھی ہوتا ہے کہ

مال یا علم یا عہدہ کی وجہ سے نشہ میں چور رہتے ہیں۔ شیخی بگھارتے ہیں اور فخر کرتے ہیں، اُن کا ذہن اس طرف نہیں جاتا کہ اُن کے پاس جو کچھ ہے اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اور یہ کہ وہ اللہ کے عاجز بندے ہیں، جو کچھ نعمتیں اللہ تعالیٰ نے ان کو عطا فرمائی ہیں اس انداز میں لوگوں کے سامنے ان کا مظاہرہ کرتے ہیں جیسے ان کے حاصل ہونے میں ان کا کمال شامل ہے اور جن کے پاس وہ چیزیں نہیں اُن سے اپنے کو بلند اور برتر سمجھتے ہیں اور اپنے خالق و مالک کو بھول جاتے ہیں، اُس نے جس کو دیا ہے اپنے فضل سے عطا فرمایا ہے اور جس کو نہیں دیا اُس میں حکمت ہے، بندہ کا مقام یہ ہے کہ اپنے کو عاجز سمجھے اور شکر گزار رہے اور اللہ کے دوسرے بندوں کو حقیر نہ سمجھے۔

آج کل ٹخنوں سے نیچا کپڑا پہننے کا بھی بہت زیادہ رواج ہے، حدیث شریف میں اس پر سخت وعید آئی ہے، حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تکبر کرتے ہوئے اپنا کپڑا گھسیٹ کر چلا اللہ تعالیٰ اُس کی طرف نظرِ رحمت سے نہ دیکھے گا۔ (بخاری، کتاب اللباس)

حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ ”مومن کا تہہ بند آدھی پنڈلیوں تک ہونا چاہیے (اور) اس میں اُس پر کوئی گناہ نہیں کہ آدھی پنڈلیوں اور ٹخنوں کے درمیان ہو اور جو اس کے نیچے ہو وہ دوزخ میں لے جانے والا ہے اور اللہ تعالیٰ قیامت کے دن اُس کی طرف نظرِ رحمت سے نہیں دیکھے گا جس نے اپنا تہہ بند اِتراتے ہوئے گھسیٹا۔“ (أبوداود، کتاب اللباس)

کپڑا ٹخنوں سے نیچے لٹکانے کا گناہ صرف تہہ بند ہی میں نہیں، بلکہ دوسرے کپڑوں میں بھی ہے، جیسے کرتا، پاجامہ وغیرہ کو اگر کوئی ٹخنوں سے نیچے لٹکائے تو یہ بھی اسی ممانعت میں شامل ہیں۔

قال النبي صلى الله عليه وسلم الإسبال في الإزار والقميص والعمامة، من جر منها خيلاء لم ينظر الله إليه يوم القيامة (أبوداود، کتاب اللباس)

حضرت جابر بن سلیم رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جو نصیحتیں فرمائیں، اُن میں سے یہ بھی ہے: **وإياك وإسبال الإزار، فإنها من المخيلة، وإن الله لا يحب المخيلة**

تہہ بند کو لٹکانے سے پرہیز کرو، کیوں کہ یہ تکبر کی وجہ سے ہوتا ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ تکبر کو پسند نہیں فرماتا۔ (أبوداود، کتاب اللباس)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے إنها من المخيلة فرما کران لوگوں کی بات کی تردید فرمادی جوٹخنوں سے نیچا کپڑا پہنتے ہیں، وہ کہتے ہیں کہ تکبر کی وجہ سے نہیں پہنتے، جولوگ ٹخنوں سے نیچے کپڑا پہنتے ہیں اُونچا کپڑا پہن لیں تو اس میں اپنی اہانت سمجھتے ہیں اور جولوگ اُونچا کپڑا پہنتے ہیں ان کو حقیر جانتے ہیں، یہی تو تکبر ہے، یہ لوگ کسی بھی طرح آدھی پنڈلی تک تہہ بند باندھ کر بازار میں جا کر دکھا دیں، دیکھو! نفس گوارا کرتا ہے یا نہیں؟ اس سے پتہ چل جائے گا کہ ٹخنوں سے نیچا پہننا تکبر ہی کے لیے ہے یا نہیں؟! سابقہ اُمتوں میں سے ایک شخص کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ وہ تکبر سے اپنے تہہ بند کو گھسیٹتا ہوا جارہا تھا لہٰذا اس کو زمین میں دھنسا دیا گیا، وہ قیامت تک زمین میں دھنستا چلا جائے گا۔ (بخاری، کتاب اللباس)

لوگوں نے کہیں یہ حدیث سن لی کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی لنگی نیچے ہو جاتی تھی، اس کو لوگوں نے پاجامہ تہبند اور دوسرے لباسوں کے ٹخنے سے نیچے پہننے کے جواز کی دلیل بنالی، یہ لوگ کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کا اتباع کرتے ہیں۔

پہلی بات یہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا صریح ارشاد (کہ جو کپڑا ٹخنے سے نیچا ہو وہ دوزخ میں جانے کا ذریعہ ہے) چھوڑ کر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی پیروی کرنے کا کیا جواز ہے؟ پھر کیا حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی پیروی کے لیے یہی ایک کام رہ گیا ہے؟ انہوں نے تو اللہ کی راہ میں سارا مال خرچ کرنے کے لیے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لاکر پیش کر دیا تھا، آپ تو ایک چوتھائی بھی خرچ کرنے کو تیار نہیں!

نیز حدیث شریف میں یوں ہے کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ جو شخص تکبر کے طور پر اپنا کپڑا گھسیٹتا ہوا چلے قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اُس کی طرف نظرِ رحمت سے نہ دیکھے گا تو حضرت ابوبکر صدیقؓ نے عرض کیا کہ: یارسول اللہ! إزاري يسترخي إلا أن أتعاهده کہ میرا تہہ بند ڈھیلا ہو کر نیچے ہو جاتا ہے، ہاں! میں اگر اس کا خاص اہتمام کروں تو نہیں ہوتا تو اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا إنّك لست ممن يفعله خيلاء تم ان میں سے نہیں کہ جو اس کام کو ازراہِ تکبر کرتے ہیں۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب اللباس)

حضرت ابوبکرؓ کا تہہ بند بے دھیانی میں سرک جاتا تھا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے بارے میں تصریح فرمادی اور گواہی دے دی کہ تم ان میں سے نہیں ہو جو اس کام کو تکبر کی وجہ سے کرتے ہیں،

اب وہ لوگ اپنے ظلم کی خود ہی داد دیں جو حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اتباع کا دعویٰ کرتے ہیں، قصداً کپڑا خریدتے وقت یہ سوچ کر خریدتے ہیں کہ ٹخنہ سے نیچا سلوانا ہے، پھر درزی کے پاس ٹخنے سے نیچا سلوانے کے لیے ناپ دیتے ہیں، پھر قصداً ٹخنے سے نیچا پہنتے ہیں اور اُونچا پہننے میں کسر شان سمجھتے ہیں، ان کا یہ سارا عمل اور حضرت ابوبکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے تہہ بند کا بے دھیانی میں لٹک جانا کیا ایک ہی بات ہے؟ ایسی بے تکی باتوں سے کیا گناہ کرنا حلال ہوجائے گا؟ انسان گناہ کو گناہ سمجھ کر کرے تو توبہ کی توفیق ہو جاتی ہے، لیکن اینچ پینچ کر کے اسے حلال ہی سمجھ لے تو گناہ گار ہی مرتا ہے۔

ہمارے ایک دوست نے پتلون پہننا چھوڑ دیا، پرانے پتلون رکھے ہوئے تھے، وہ مجھ سے کہنے لگے کہ ان کا کیا کروں؟ میں نے کہا کٹوا کر ٹخنوں سے اُونچی کرلو اور اس کے بعد پہنو اور پہنتے وقت آگے پیچھے کرتے کا دامن بھی ڈھک لینا! یہ سن کر وہ ہنس پڑے، اُن کی ہنسی یہ ظاہر کر رہی تھی کہ جب ٹخنے سے نیچا نہ رہا اور کرتے کا دامن بھی ڈھک گیا تو وہ پتلون ہی کہاں رہا؟ پتلون کا تو مقصد ہی اِترانا اور دھڑ کو چمکانا اور اُبھرا ہوا دکھانا ہے۔

مسلمانو! کیا مصیبت ہے کہ لباس اور وضع قطع میں اسلام کا طریقہ چھوڑ دیں اور کافروں کی وضع قطع اور سج دھج اختیار کریں! ہمارا دین علیحدہ ہے، دشمنوں کا دین علیحدہ ہے۔ دشمنانِ اسلام کا طریقہ ہم سے مختلف ہے! ان کے یہاں تو دو چار تصورات و توہمات کے علاوہ دین ہے ہی نہیں۔

ہمارا دین کامل ہے، مکمل ہے، جامع ہے، زندگی کے ہر شعبے پر حاوی ہے، لہٰذا ہمیں اپنے دشمن کی طرف نظریں اُٹھا کر دیکھنے اور اُن جیسا بننے کی کیا ضرورت ہے؟ کیسی بے غیرتی ہے کہ وہ ہماری وضع قطع اور لباس اور معاشرت اختیار کرنے کو تیار نہیں اور ہمارے فیشن کے دلدادہ بھائی اُن کے سانچے میں ڈھل رہے ہیں! قرآنِ مجید میں فرمایا وَ لَا تَرْکَنُوْٓا اِلَی الَّذِیْنَ ظَلَمُوْا فَتَمَسَّکُمُ النَّار (سورۃ ھود) اور اُن لوگوں کی طرف مائل نہ ہوجاؤ جنہوں نے ظلم کیا، ورنہ تمہیں دوزخ کی آگ پکڑ لے گی۔

"تکبر" بڑا بننے کا نام ہے، اس کی سزا بھی ذلت والی ہے۔ حضرت عمرو بن شعیب رحمۃ اللہ علیہ اپنے باپ دادا سے روایت کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "تکبر کرنے والوں کا حشر قیامت کے دن چیونٹیوں کی طرح ہوگا (جسم چیونٹیوں کے برابر ہوں گے) صورتیں انسانوں کی ہوں گی، ہر

طرف سے ان پر ذلت چھائی ہوئی ہوگی، ان کو دوزخ کے جیل خانہ کی طرف چلایا جائے گا، اُن پر آگوں کو جلانے والی آگ چڑھی ہوگی، اُن کو دوزخیوں کے جسم کا نچوڑ پلایا جائے گا (جس کا نام) طينة الخبال ہے۔ (مشکوٰۃ شریف، کتاب الآداب)

یہ بات جو مشہور ہے "مارے گھٹنا پھوٹے آنکھ" اس کے پیچھے ایک قصہ ہے اور وہ یوں ہے کہ ایک چوہدری صاحب تھے مجلس میں بیٹھے تو اپنی خوب تعریفیں کرتے تھے، بعض باتیں بہت ہی بے تکی ہوتی تھیں اور تعریف کے موڈ میں انہیں یہ بھی پتہ نہ رہتا کہ میری اس بات کو لوگ قبول بھی کریں گے یا نہیں! جب بے تکی باتیں کرتے تھے تو لوگ حیرت زدہ ہو کر پوچھتے تھے کہ واہ میاں! یہ کیسے ہوسکتا ہے؟ چوہدری نے ایک ذہین آدمی کو اس بات پر ملازم رکھا کہ جب میں کوئی بے تکی بات کہوں تو آپ اسے ٹھیک ثابت کر دیا کریں، ملازم صاحب نے کام شروع کر دیا، ایک دن چوہدری صاحب نے اپنی تعریف شروع کر دی اور اپنے شکار کرنے کا قصہ بیان کیا، ڈینگیں مارتے ہوئے یوں فرمایا کہ آج جو ہم شکار کے لیے گئے تو ایک ہرن نظر آ گیا، اُسے جو گولی ماری تو گھٹنا توڑتے ہوئے آنکھ پھوڑتی ہوئی نکل گئی!

حاضرینِ مجلس نے فوراً کہا کہ واہ میاں! کہاں گھٹنا اور کہاں آنکھ؟ گھٹنے میں گولی لگ کر آنکھ میں کیسے لگی! وہ صاحب فوراً بول پڑے کہ "چوہدری صاحب کا فرمانا ٹھیک ہے، بات یہ ہے کہ جب چوہدری صاحب نے گولی ماری تھی وہ ہرن اُس وقت اپنے گھٹنے سے آنکھ کو کھجا رہا تھا" دیکھو! انسان میں اپنی تعریف کے کس قدر جذبات ہیں، صحیح کرنے کے لیے تنخواہ دار نوکر رکھے۔

بادشاہوں کو یہ مرض تھا کہ اپنی تعریفیں کروانے کے لیے اپنے دربار میں شاعروں کو رکھتے تھے، شاعر اِن کی تعریف میں آسمان وزمین کے قلابے ملاتے تھے اور اِسی کی روٹی کھاتے تھے، یہی شعراء جب کسی بات پر بگڑ جاتے تھے تو پھر ہجو اور مذمت میں بھی انتہا کر دیتے تھے، نہ جھوٹی تعریف سے خوش ہوتے، نہ ہجو کی نوبت آتی، خودسری اور خودستائی بُرا مرض ہے۔

راہِ عمل

مُروءتِ شرعیہ (دِینی شرافت)

(حقیقت، اہمیت اور تقاضے)

جمع وترتیب : مولانا محمد معاویہ سعدی
استاذ جامعہ مظاہر علوم، سہارنپور

کھلم کھلا گناہوں اور صریح معصیت کے کاموں سے بچنے کو تو شریعت کی اصطلاح میں ''تقوی'' کہا جاتا ہے، اور اپنے مقام ومرتبہ سے گرے ہوئے، یا عرف میں ناپسندیدہ سمجھے جانے والوں کاموں سے اجتناب کرنے کو ''مروت'' سے تعبیر کرتے ہیں۔

شریعت میں ''مروت'' کو بہت اہمیت دی گئی ہے، تقوی اور مروت کے مجموعے کو فقہاء کی اصطلاح میں ''عدالت'' کہا جاتا ہے، عدالت کے بغیر نہ کسی کی شہادت قبول ہوتی ہے، نہ روایت، اور نہ فتوی، اِسی لیے مروت: دینی مقتداؤں اور علمی شخصیات کے لیے لازمی شرائط میں سے ہے۔

مروءت، یا مروّت: عربی زبان کا لفظ ہے، جو ''مرء'' سے مشتق ہے، عرف اور شرع میں اِس کا اِطلاق: مردانہ وقار والے اوصاف وکمالات اور مکارمِ اَخلاق پر کیا جاتا ہے، بہت سی مرتبہ عرف کے بدلنے سے اِس کا معیار بھی بدل جاتا ہے۔

مقام ومرتبہ کے تفاوت اور عرف وماحول کے اختلاف کے تناظر میں مروت کی دو قسمیں کی گئی ہیں:

ایک وہ جو عام مسلمانوں (اور عام اِنسانوں) سے مطلوب ہے، کہ اُس کا اثر شرعی عدالت پر تو نہیں پڑتا، مگر اُس کے بغیر عرفی شرافت ووجاہت بھی حاصل نہیں ہوتی۔

دوسری وہ جو بطورِ خاص راویانِ حدیث، مفتیانِ شرع، اور خدامِ دین سے مطلوب ہے، کہ اُس کے بغیر وہ مخصوص عدالت نہیں حاصل ہو پاتی جس پر شرعی استناد واِعتبار کا دارومدار ہے۔

ذیل میں ہم اولاً دونوں قسموں کے تحت مطلوبہ صفات وعادات کا بیان کرتے ہیں، بعد اَزاں دونوں کی شرعی حیثیت اور اہمیت پر بھی اِن شاء اللہ تعالی مختصر روشنی ڈالنے کی کوشش کی جائے گی۔

۱—مروت کی پہلی قسم (جو عام مسلمانوں سے مطلوب ہے):

اِس قسم کے تحت صرف وہ صفات مطلوب ہوتی ہیں جو ایک شریف اِنسان اور مردِ کامل (مَرْء) کو: شیطانیت،

حیوانیت، اورنسوانیت سے ممتاز کردے، اور معاشرے کی عوامی سطح سے اوپر اُٹھا کر عزت ووجاہت کا خاص مقام دیدے۔

علم وحکمت، عقل ودانائی، جرأت وشجاعت، جود وسخاوت، عفت و پاکدامنی، استغناء وخودداری، صدق وراست بازی، حلم وبردباری اور عدل وانصاف پسندی جیسی صفاتِ حمیدہ اور اَخلاقِ کریمہ اِس مروءت کے بنیادی اوصاف میں سے ہیں، کہ اِن کے بغیر تو کوئی شخص کسی شریف اور مہذب معاشرے میں کوئی باعزت مقام پا ہی نہیں سکتا۔

اِن کے علاوہ مزید کچھ اوصاف اور بھی ہیں جن کو معاشرے میں اہمیت دی جاتی ہے، اور اُن سے متصف افراد کو عزت کی نظروں سے دیکھا جاتا ہے۔

علامہ ابوبکر محمد بن خلف الآجریؒ (ت: ۳۰۹ھ) کی ایک کتاب "المروءة" ہی کے نام سے ہے، جس میں انھوں نے اپنی سندوں سے مرفوع وموقوف روایات، اور تابعین وسلفِ صالحین کے اقوال وآثار کے حوالے سے اُن تمام اوصاف واخلاق کا اِحاطہ کرنے کی کوشش فرمائی ہے جو ایک باوجاہت اور باعزت شخص سے مطلوب ہوتے ہیں، ذیل میں اُن میں سے چند اہم اخلاق کی فہرست بطور نمونہ پیش کی جاتی ہے:

۱— کتاب المروءة کے مصنف نے سب سے پہلے ایک مرفوع حدیث کے حوالے سے عقل اور دانائی کو مروءت کا حصہ قرار دیا ہے۔

۲— پھر ایک اور حدیث کے حوالے سے اِنصاف پسندی کو اور اِصلاح بین الناس (لوگوں کے درمیان صلح صفائی) کی عادت کو مروءت میں سے شمار کرایا ہے۔

۳— ایک اور طریق میں: دین کی صلاح، معاش کی درستگی، سخاوت اور صلہ رحمی کو خصائلِ مروت میں سے بیان کیا ہے۔

۴— ایک دوسری روایت میں حُسنِ اخلاق کو مروت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

(یہاں اِن روایات کی اِسنادی حیثیت کی کوئی تحقیق نہیں کی گئی، اِس لیے کہ پیشِ نظر مضمون میں اِن کا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف انتساب بیان کرنا مقصود نہیں تھا، بلکہ محض مروت کے معانی کا بیان پیشِ نظر تھا، اور وہ اپنی جگہ بہر حال درست ہے، خواہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف اُن کی نسبت ثابت ہو یا نہ ہو، واللہ اعلم)۔

۵— آجُرّی ہی نے حسن بصریؒ سے نقل کیا ہے کہ آپ زیادہ مول بھاؤ کرنے کو بھی خلافِ مروءت کہتے تھے۔

۶— احنف بن قیسؒ سے نقل کیا ہے کہ غصہ کے وقت خود پر قابو رکھنے، اور بغیر فرمائش اور

طلب کے اپنی چیز (علم، یا مال) کا اظہار نہ کرنے کا نام مروت ہے۔

۷— حضرت عمر اور حضرت معاویہ رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ ہنر مند (صاحبِ فن) ہونا، اور دوسروں کے سامنے اپنی ضرورت نہ رکھنا، یہ اصل مروت ہے۔

۸— صعصعۃ بن صَوحان سے نقل کیا ہے کہ مشکلات میں خود پر قابو رکھنے، اور سوَال کے بغیر زبان پر قابو رکھنے کا نام مروت ہے۔

۹— حضرت عمرو بن العاص رضؓ سے مروت کی تعریف میں مندرجہ ذیل اوصاف نقل کیے ہیں:

اَ— جب کسی سے ملے تو شگفتگی کے ساتھ۔

ب— جب گفتگو کرے تو عمدگی کے ساتھ۔

ج— جب کسی کی بات سنے تو توجہ کے ساتھ۔

د— جب مخالفت کا سامنا کرے تو خندہ پیشانی کے ساتھ۔

ھ— اس کے علاوہ ایسے لوگوں سے مزاح نہ کرے جن کی عقل کا، یا دین کا بھروسہ نہ ہو۔

و— شر پسند اور گھٹیا قسم کے لوگوں سے مخاصمت اور مقابلہ آرائی نہ کرے۔

ز— اور ہر ایسی بات سے احتراز کرے جس سے انجام کار معذرت کرنی پڑے۔

۱۰— بعض دہقانِ عرب سے مروءت کے لیے چار چیزوں کا ہونا نقل کیا ہے:

(۱) اپنی آبرو کو مظنۂ تہمت سے بچانا۔ (۲) اپنے مال کو بربادی سے بچانا۔ (۳) اپنے گھر والوں پر اتنی توجہ رکھنا کہ وہ اپنی حوائج وضروریات میں کسی اور کے محتاج نہ ہوں۔ (۴) کھانے پینے میں طبیعت کے موافق وناموافق کا خیال رکھنا (لہٰذا بازار میں ملنے والی ہر چیز کو کھانے کی خواہش اور فکر کرنا بھی خلافِ مروءت ہے)۔

۱۱— مختلف بزرگوں سے نقل کیا ہے کہ اپنا گھر اور در چھوڑ کر کہیں اور لیٹنا اور آرام کرنا بھی خلافِ مروءت ہے۔

۱۲— کثرتِ مزاح (ہنسی ٹھٹھے) کو بھی خلافِ مروت اُمور میں شمار کیا گیا ہے۔

ان کے علاوہ اور بھی بہت سی چیزیں ہیں جن کو اِنسان کی شرافت، وجاہت اور معاشرتی عزت ووقار میں دخل ہے، فصاحت وبلاغت، طلاقتِ لسانی، زور بیانی اور قلم کی روانی وغیرہ کے کمالات بھی ان میں شامل ہیں، اِن اُمور کا جتنا زیادہ لحاظ کیا جائے گا، اسی قدر معاشرہ میں وجاہت اور وقار کا مرتبہ حاصل ہوگا۔

جب وفدِ عبد القیس: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا، تو وفد کے باقی ارکان تو دوڑتے، لپکتے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچ گئے، جب کہ وفد کے رئیس منذر بن عائذؓ نہایت سکون واطمینان سے سواری سے اترے، اُسے مناسب جگہ پر بٹھایا، باندھا، اُس کے بعد سامان رکھنے کا بند وبست کیا، کپڑے تبدیل فرمائے، پھر نہایت وقار اور ادب کے ساتھ بارگاہِ رسالت مآب میں حاضر ہوئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو آپ کی یہ سنجیدگی اور متانت بہت پسند آئی، اور آپ نے اظہارِ مسرت کرتے ہوئے ارشاد فرمایا: **يا أشج! إن فيك خصلتين، يحبهما الله عز وجل، ورسوله :الحلم والأناة** (آپ کے اندر دو خصلتیں ایسی ہیں جو اللہ اور اُس کے رسول کو بہت پسند ہیں: بردباری، اور وقار) [مسلم]۔

در اَصل تمام انسانی مروت کی اصل اور سرچشمہ یہی دونوں خصلتیں ہیں، جس کو یہ دونوں عادتیں نصیب ہو جائیں اُس کے لیے مروت کے بقیہ معانی اور مظاہر کو اِختیار کرنا نہایت آسان ہے۔

تنبیہات:

تنبیہ:۱— جاننا چاہیے کہ مروت کے اوصاف بعض لوگوں کے اندر تو طبعی اور فطری ہوتے ہیں، اُن کو تو صرف شرعی مسائل جان کر اُن کی روشنی میں اپنی اِس خداداد نعمت کے صحیح اِستعمال کی فکر کرنے کی ضرورت رہ جاتی ہے۔

اور بعض حضرات کے اندر یہ اوصاف طبع زاد نہیں ہوتے، اِس لیے اُن کو کسی شریف اور مہذب معاشرے میں عزت ووجاہت کا مقام حاصل کرنے کے لیے اِن اوصاف کی تحصیل اور اِکتساب کی ضرورت پڑتی ہے۔

چنانچہ اہلِ عرب کو اِس کا بڑا اہتمام تھا، وہ اپنی اولاد کو اُمورِ مروءت کی تعلیم دلاتے تھے، اور اُن کے اندر مردانگی کے کمالات پیدا کرنے کی خاص فکر اور کوشش کرتے تھے، حتی کہ فضل ابن دَلہم کہتے ہیں کہ ہشام بن عبد الملک اُموی کے لشکر میں ہم لوگوں کو مروءت کی تعلیم بھی اُسی طرح دی جاتی تھی جس طرح قرآنِ کریم کی تعلیم دی جاتی ہے۔

تربیت یافتہ صلحاء اور بزرگوں کی خدمت میں جانے اور اُن کی صحبتوں میں رہنے سے بھی یہ نعمت حاصل ہو سکتی ہے۔

تنبیہ:۲— سادگی وبے تکلفی: اِسلام کی خاص تعلیم اور مسلمانوں کی خاص پہچان ہے، جس کے اندر یہ صفت ہوتی ہے اُس کا مزاج: قلب کے تصنع وبناوٹ، کپڑوں کی زیب وزینت، اور مکان کی آرائش

وسجاوٹ وغیرہ کا نہیں ہوتا، بلکہ ہر چیز کے اندر سادگی، قناعت پسندی، اور کفایت شعاری کا اِظہار ہوتا ہے۔

اور یہ سادگی موجودہ دور کے اُس عامیانہ پن اور سطحیت سے بالکل مختلف چیز ہے جس کا منشا عموماً ہلکا پن اور خفت ہوتا ہے، بے وزن شخص ہر محفل کی رونق بننا اور ہر مجمع کا حصہ بننا منظور کرلیتا ہے، جب کہ باوزن شخص اپنے ہم جنس، ہم پیشہ، اور ہم مذاق لوگوں کے علاوہ میں بیٹھنے میں عار اور بار محسوس کرتا ہے، اِلا یہ کہ کہیں شرعی یا معاشرتی ضرورت ہی داعی ہوجائے۔

بے وزنی ہر مہذب معاشرے میں ''مروت'' کے منافی مانی جاتی ہے، جب کہ اِسلامی سادگی کا شمار نہایت اعلیٰ درجہ کی صفات میں ہوتا ہے۔

اِس فرق کی وضاحت اِس قدر تفصیل سے اِس لیے کردی گئی کہ آج کل اِن اُمور میں بہت سوں کو اشتباہ ہوجاتا ہے۔

تنبیہ: ۳— ہمارے اِس دور میں جس میں تمام ہی ''معروفات'' منکر، اور ''محاسن'' معائب ٹھہرائے جارہے ہیں، اور تمام ''منکرات'' معروف اور ''معائب'' محاسن قرار دیئے جارہے ہیں، شرافت ومروت کے معیار میں بھی یہ التباسات پیدا ہوگئے ہیں۔

لہوولعب، کھیل کود، تفریح وتماشا: اِن میں سے کوئی بھی چیز ایسی نہیں ہے جس کو اِسلام میں، یا شرفاء کے ہاں اَسبابِ مروت میں شمار کرایا گیا ہو، اور اُس کے ذریعہ کسی مہذب معاشرے میں وجاہت کا مقام حاصل کیا جاسکتا ہو، مگر کیا کیجیے گا کہ اِس زمانہ میں یہ اُمور بھی جاہ ومنصب کے حصول میں بہترین معاون قرار پاچکے ہیں۔

بلکہ اِس سے بھی بڑھ کر فحاشی وعریانیت اور فسق وفجور کے مظاہر: اَسبابِ مروءت میں سرفہرست مقام حاصل کرچکے ہیں، اور اِنہی رذائل کے حاملین کو موجودہ دور میں نمونہ اور معیار قرار دے لیا گیا ہے، **فإلی اللہ المشتکی، وھو المستعان۔**

یہ سب انقلابات تو دنیا میں برپا ہی ہیں، یہاں ایک مؤمن کے لیے دیکھنے کی اَصل چیز یہ ہے کہ نعوذ باللہ کہیں وہ خود بھی فکراً یا عملاً اِسی منحرف نظام کا حصہ تو نہیں بن گیا ہے، کہ وہ اپنے قول سے اس کی تائید کررہا ہو، یا اپنے عمل سے اس کی معاونت میں شامل ہوکر **وَلَا تَعَاوَنُوا عَلَى الْإِثْمِ وَالْعُدْوَانِ** کی خلاف ورزی کررہا ہو!!۔

(باقی آئندہ)

رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم اور ان کے برگزیدہ صحابہ کی
پاکیزہ زندگی کے تابندہ نقوش

(صفحات مشرقة من حياة الرسول وصحابته الأبرار

لمحمد علي الصلابي

ترجمہ مع اضافات : **مولانا محمد حیان بیگ** استاذ شعبۂ تفسیر مدرسہ مظاہر علوم، سہارنپور

اللہ تبارک وتعالیٰ نے سراجِ منیر خاتم الانبیاء والمرسلین محمد بن عبد اللہ کو مبعوث فرما کر ساری انسانیت پر احسانِ عظیم فرمایا، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت درحقیقت خداوندِ قدوس کی جانب سے ایسی صبح کی نوید تھی، جس کی ضیا پاشیوں سے سارا عالم جگمگا اٹھا اور بساطِ شب الٹ گئی۔

ارشادِ خداوندی ہے: **يا أيها النبي إنا أرسلناك شاهدًا ومبشّرًا ونذيرًا وداعيًا إلى الله وسراجًا منيرًا، وبشّر المؤمنين بأن لهم من الله فضلًا كبيرًا۔** (سورۃ الاحزاب ۴۵،۴۷)

اے نبی ﷺ ہم نے تم کو گواہی دینے والا، خوشخبری سنانے والا، خبردار کرنے والا، اور اللہ کے حکم سے لوگوں کو اللہ کی طرف دعوت دینے والا، اور روشنی پھیلانے والا چراغ بنا کر بھیجا ہے، اور تم مؤمنین کو خوشخبری سنادو کہ ان پر اللہ کی طرف سے بڑا فضل ہونے والا ہے۔

ایک دوسری آیت میں فرمانِ باری ہے: **لقد منّ الله على المؤمنين إذ بعث فيهم رسولاً من أنفسهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم ويعلمهم الكتاب والحكمة، وإن كانوا من قبل لفي ضلال مبين** (سورۃ آل عمران ۱۶۴)

حقیقت یہ ہے کہ اللہ نے مؤمنین پر بڑا احسان کیا کہ کے درمیان انہی میں سے ایک رسول بھیجا جو ان کے سامنے اللہ کی آیتوں کی تلاوت کرے، اور انہیں پاک صاف کرے، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے، جبکہ یہ لوگ اس سے پہلے یقیناً کھلی گمراہی میں مبتلا تھے۔

آمدِ رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی قرآنی بشارت

تمام آسمانی کتابوں میں اللہ کے رسول محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی آمد کی بشارت موجود ہے، حضرت موسیٰ،

حضرت عیسیٰ علیہما السلام دونوں ہی نے یہ بشارت دی ہے، اللہ جلّ شانہ نے تمام انبیاء سے یہ عہد لیا تھا کہ اگروہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کو پائیں تو ان پر ایمان لائیں، اور انہی کی اتباع کریں، اور انہی کے پرچم تلے صف آرا ہوجائیں، تمام انبیاء کرام پر یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے تفوق اور فضل کی واضح دلیل ہے۔

قرآنِ پاک میں حضرت ابراہیمؑ کی یہ دعاء مذکور ہے: **ربنا و ابعث فیهم رسولاً منهم یتلو علیهم آیاتک و یعلمهم الکتاب و الحکمة و یزکّیهم، إنک أنت العزیز الحکیم۔** (سورۃ البقرۃ ۱۲۹)

اور ہمارے پروردگار! ان میں ایک رسول بھی بھیجنا جو انہی میں سے ہو، جو ان کے سامنے تیری آیتوں کی تلاوت کرے، اور انہیں کتاب وحکمت کی تعلیم دے، اور ان کو پاکیزہ بنائے، بیشک تیری اور صرف تیری ذات وہ ہے جس کا اقتدار بھی کامل ہے، جس کی حکمت بھی کامل ہے۔

ایک دوسری آیت میں ارشاد ہے: **و إذ أخذ الله میثاق النبیین لما آتیتکم من کتاب و حکمة ثم جائکم رسول مصدق لما معکم لتؤمنن به و لتنصرنّه، قال أأقررتم و أخذتم علی ذلکم إصري، قالوا أقررنا، قال فاشهدوا و أنا معکم من الشاهدین، فمن تولّی بعد ذلک فأولئک هم الفاسقون۔** (سورۃ آلِ عمران ۸۱، ۸۲)

اور (ان کو وہ وقت یاد دلاؤ) جب اللہ نے پیغمبروں سے عہد لیا تھا کہ: اگر میں تم کو کتاب وحکمت عطا کروں، پھر تمہارے پاس کوئی رسول آئے جو اس (کتاب) کی تصدیق کرے جو تمہارے پاس ہے، تو تم اس پر ضرور ایمان لاؤگے، اور ضرور اس کی مدد کروگے۔ اللہ نے ان پیغمبروں سے کہا تھا کہ: کیا تم اس بات کا اقرار کرتے ہو اور میری طرف سے دی ہوئی یہ ذمہ داری اٹھاتے ہو؟ انہوں نے کہا تھا: ہم اقرار کرتے ہیں، اللہ نے کہا: تو پھر (ایک دوسرے کے اقرار کے) گواہ بن جاؤ اور میں بھی تمہارے ساتھ گواہی میں شامل ہوں۔ اس کے بعد جو لوگ (ہدایت سے) منہ موڑیں گے تو ایسے لوگ نافرمان ہوں گے؟

عبداللہ بن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اللہ پاک نے ہر نبی سے یہ عہد لیا کہ: اگر کسی کی حیات میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت ہوجائے تو ان پر ایمان لانا، اور ان کی نصرت کرنا واجب ہے، اسی طرح اللہ تعالیٰ نے ہر نبی کو یہ حکم بھی دیا کہ: ہر ایک اپنی امت سے بھی اس بات کا عہد لے۔ (تفسیر ابن کثیر ۱/۳۸۶)

سورۂ اعراف میں خدا تعالیٰ کا یہ فرمان توراۃ وانجیل میں محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کی آمد کی بشارت

پر واضح طور پر دلالت کرتا ہے۔

ارشاد ہے :الذين يتبعون الرسول النبي الأمي الذي يجدونه مكتوبًا عندهم في التوراة والإنجيل، يأمرهم بالمعروف وينهاهم عن المنكر ويحل لهم الطيبات ويحرّم عليهم الخبائث ويضع عنهم إصرهم والأغلال التي كانت عليهم، فالذين آمنوا به وعزّروه ونصروه واتبعوا النور الذي أنزل معه، أولئک هم المفلحون۔ (سورۃ الأعراف ۱۵۷)

وہ لوگ جو پیروی کرتے ہیں اس رسول کی جو نبی امی ہے کہ جس کو پاتے ہیں لکھا ہوا اپنے پاس توراۃ وانجیل میں، وہ حکم کرتا ہے ان کو نیک کام کا، منع کرتا ہے برے کام سے، اور حلال کرتا ہے ان کے لیے سب پاک چیزیں، اور حرام کرتا ہے ان پر ناپاک چیزیں، اور اتارتا ہے ان پر ان کے بوجھ، اور وہ قیدیں جو ان پر تھیں، سو جو لوگ اس پر ایمان لائے، اور اس کی رفاقت کی، اور اس کی مدد کی، اور تابع ہوئے اس نور کے جو اس کے ساتھ اترا ہے، وہی لوگ پہنچے اپنی مراد کو۔

سورۂ بقرہ میں ارشاد ہے :الذين آتيناهم الكتاب يعرفونه كما يعرفون أبنائهم، وإن فريقًا منهم ليكتمون الحق وهم يعلمون۔ (سورۃ البقرۃ ۱۴۶)

جن لوگوں کو ہم نے کتاب دی ہے وہ ان کو (محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو) اتنی اچھی طرح پہچانتے ہیں جیسے اپنے بیٹوں کو پہچانتے ہیں، اور یقین جانو کہ ان میں سے کچھ لوگوں نے حق کو جان بوجھ کر چھپا رکھا ہے۔

توراۃ میں رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے اوصاف

قرآن مجید میں حضورِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے جو اوصاف مذکور ہیں وہی توراۃ میں بھی وارد ہوئے ہیں، بخاری شریف میں ہے کہ عطاء بن یسار نے عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ سے دریافت کیا کہ :رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی جو صفات توراۃ میں آئی ہیں مجھے ان کے متعلق کچھ بتائیے! واضح رہے کہ عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ توراۃ پڑھا کرتے تھے اور تورات کے مضامین جانتے تھے؛ تو عبد اللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا:أجلْ، والله إنه لموصوف في التوراة ببعض صفته في القرآن :يا أيها النبي إنا أرسلناک شاهدًا ومبشّرًا ونذيرًا (سورۃ الأحزاب ۴۵) وحرزًا للأميين، أنت عبدي ورسولي، سمّيتک المتوكّل، ليس بفظّ ولا غليظ، ولا سخّاب في الأسواق، ولا يدفع بالسيئة السيئةَ، ولكن يعفو ويغفر، ولن يقبضه الله حتى يقيم به الملة العوجاء، بأن يقولوا: لا إله إلا الله،

ویفتح به أعینًا عُمْیًا، و آذانًا صُمًّا، و قلوبًا غُلْفًا۔(باب کراہیۃ السخب فی السوق رقم ۲۱۲۵)

ہاں، بخدا، آپ ﷺ کی توراۃ میں بالکل بعض وہی صفات آئی ہیں جو قرآن میں مذکور ہیں، جیسا کہ: اے نبی! ہم تمہیں گواہی دینے والا، خوشخبری دینے والا، ڈرانے والا، اور ان پڑھ قوم کی حفاظت کرنے والا بنا کر بھیجا ہے، تم میرے بندے اور رسول ہو، میں نے تمہارا نام متوکل رکھا ہے، تم نہ بدخو ہو، نہ سخت دل، اور نہ بازاروں میں شور وغل مچانے والے، (اور توراۃ میں یہ بھی لکھا ہوا ہے کہ) وہ (محمد ﷺ) برائی کا بدلہ برائی سے نہیں لیں گے، بلکہ معاف اور درگزر کریں گے، اللہ تعالی اس وقت تک ان کی روح قبض نہیں کرے گا جب تک ٹیڑھی شریعت کو ان سے سیدھی نہ کرالے، یعنی لوگ ''لا إلہ إلا اللہ'' نہ کہنے لگیں، اور اس کے ذریعہ وہ نابینا آنکھوں کو بینا اور بہرے کانوں کو شنوا اور بند دلوں کو کھول نہ دے۔

تورات میں مذکور صفات کا خلاصہ

شاھد: یعنی آپ ﷺ امت میں سے جو ایمان لایا اس کے حق میں تصدیق کی گواہی دیں گے اور جس نے کفر اختیار کیا اس کے خلاف تکذیب کی گواہی دیں گے، اسی طرح تمام انبیاء کے حق میں گواہی دیں گے۔

مبشر و نذیر: یعنی نیکوکاروں کو جنت کی بشارت دینے والا، اور بدکاروں کو جہنم سے ڈرانے والا۔

و حرزًا للأمیین: ناخواندہ قوم (عرب) کے لیے آپ ﷺ کو محافظ بنا کر بھیجا گیا ہے، یعنی آپ ﷺ ان کی عجمی دشمنوں سے حفاظت فرمائیں گے، نیز جب تک آپ ﷺ ان کے درمیان موجود ہیں وہ ہر طرح کے عذاب سے محفوظ رہیں گے۔(**وما کان اللہ لیعذبھم و أنت فیھم**۔۔۔سورۃ الانفال ۳۳) اور عرب کا خاص طور پر ذکر اس لیے ہوا کہ آپ ﷺ انہی کے درمیان مبعوث ہوئے، اگرچہ آپ کی دعوت سارے عالم کے لیے عام ہے۔

أنت عبدي: رسولِ پاک ﷺ میں عبودیت کی صفت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے، اور حضور ﷺ نے خود عبد بننا پسند کیا۔

سمیتک المتوکّل: آپ ﷺ کی ایک امتیازی صفت توکل تھی، آپ ﷺ توکل کے جس مقام پر فائز تھے اس تک کسی کی رسائی نہیں ہوسکتی، اسی لیے متوکل آپ کے اسماءِ حسنیٰ میں سے ایک ہے۔

لیس بفظ و لا غلیظ: نرم خوئی، اخلاقِ کریمانہ آپ ﷺ کا خاصہ تھا، ہر ایک آپ کے اخلاق سے متاثر اور اس کا قائل تھا۔ فبما رحمة من الله لنت لهم، و لو كنتَ فظًّا غليظَ القلب لانفضوا من حولك

۔۔۔۔(سورۃ آل عمران ۱۵۹)لیکن دینی حمیت اور غیرتِ ایمانی کے تقاضہ پر آپ شجاعت اور جوانمردی کا بھی ثبوت دیتے تھے۔ **يا أيها النبی جاهد الكفار والمنافقين واغلظ عليهم ومأواهم جهنم وبئس المصير** ۔(سورۃ التوبۃ ۷۳)

ولا سخاب في الأسواق : بازار جیسی جگہ جہاں ہر ایک کی آواز بلند ہوجاتی ہے، اور شور وغل رہتا ہے، وہاں بھی آپ پُروقار اور سنجیدہ رہا کرتے تھے، دیگر لوگوں کی طرح شور شرابہ نہیں کرتے تھے۔

ولا يدفع بالسيئة السيئةَ : برائی کا بدلہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم برائی سے نہیں دیتے تھے، بلکہ حلم ووقار اور تحمل آپ کا شیوہ تھا، حکمت اور دانائی آپ کا ہتھیار، آپ خدا تعالی کے اس قول پر عمل پیرا تھے :**ادفع بالتي هي أحسن** ۔(سورۃ المؤمنین ۹۶)

ولكن يعفو ويغفر : آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم بڑے سے بڑے دشمن کو بھی معاف فرمادیتے تھے، فتحِ مکہ کے موقع پر معافی کا اعلانِ عام آپ کی کریمانہ طبع کی بین دلیل ہے، جب آپ کسی پر تنبیہ بھی فرماتے تھے تو نرم انداز میں یہ الفاظ بولتے تھے "**ما بالُ أقوام يصنعون كذا و كذا**"۔

ولن يقبضه الله تعالى۔۔۔۔آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بعثت کے موقع پر لوگ دینِ ابراہیمی پر چلنے کے دعویدار تھے، حالانکہ وہ لوگ ایسے کافرانہ ومشرکانہ اعمال کا ارتکاب کرتے تھے کہ جس سے ملتِ ابراہیمی کا دور دور تک کوئی واسطہ نہیں تھا، آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم مبعوث ہوئے ، اور آپ نے ملتِ ابراہیمی کی صحیح شکل لوگوں کے سامنے رکھی، اور بدعات ورسومات کا خاتمہ کیا، اور کفر وشرک کی مکمل طور پر بیخ کنی کی، اور قبولِ حق سے محروم ہوچکے لوگوں کو نشانِ راہ بتلایا، اور ان کی صفت بہیمیت کو مغلوب کر کے صفتِ ملکوتیت کو مزکّٰی ومجلّٰی کیا۔(باقی آئندہ ان شاء اللہ)

طابع، ناشر، مدیر (مولانا) محمد عاقل (صاحب) ناظم مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور نے
سبھاش پرنٹنگ پریس نواب گنج چوک سہارنپور سے چھپوا کر
دفتر ماہنامہ مظاہر علوم سہارنپور سے شائع کیا

تبرکات

ملفوظات

از حکیم الامت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی نور اللہ مرقدہ

مرتب: مولانا مفتی شعیب احمد بستوی

معین مفتی دار الافتاء مظاہر علوم سہارنپور

اکرام اور تعظیم کا فرق

حضرت اقدس تھانویؒ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا، ایک تو ہوتا ہے اکرام اور ایک ہوتی ہے تعظیم، صورت دونوں کی ایک ہے مگر نیت کی وجہ سے دونوں میں حقیقت کا فرق ہے۔

حضور صلی اللہ علیہ وسلم حضرت فاطمہؓ کے مکان پر تشریف لے جاتے تو حضرت فاطمہؓ کھڑی ہوجاتیں اور حضرت فاطمہؓ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے مکان پر آتیں تو حضور کھڑے ہوجاتے، ان دونوں میں وہی اکرام اور تعظیم کا فرق ہے گو صورت ایک ہے، غرض اکرام؛ جس کا حاصل تو خاطر داری ورعایت ہے اور چیز ہے اور تعظیم اور چیز ہے۔ صورت ایک ہونے کی وجہ سے لوگ دھوکہ کھاجاتے ہیں وہ خاطر داری کو بھی تعظیم ہی سمجھتے ہیں اور ترک تعظیم کو ترک اکرام۔

بدعتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کرتے ہیں

حضرت تھانویؒ نے ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا کہ یہ بدعتی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو الٰہ مانتے ہیں مگر ناقص (بعض صفات باری تعالیٰ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ثابت مانتے ہیں) اور ہم عبد کہتے ہیں مگر کامل (عبدیت ورسالت کا جامع) تو تم (بدعتی) حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی تنقیص کرتے ہو اور ہم کمال کے قائل ہیں۔

تشبہ ممنوع ہے تشابہ نہیں

حضرت تھانویؒ نے ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ حدیث شریف میں جو آیا ہے من تشبہ

بقوم فھو منھم (جس نے پسند واختیار سے دوسرے لوگوں کی وضع وطریقہ اپنایا وہ انہیں لوگوں جیسا ہے) اس کی حکمت یہ ہے کہ اہل باطل سے امتیاز ہو، مگر تشابہ جائز ہے تشبہ جائز نہیں ہے۔ تشابہ وہ وضع ہے جو فطری ہو اور تشبہ وہ وضع ہے جو قصد سے ہو۔

سنت کی تعریف

ایک سوال کے جواب میں فرمایا کہ سنت کہتے ہیں عادت غالبہ کو۔ تو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی جو عادت غالب ہے اس کو سنت کہا جاتا ہے ورنہ ہر منقول سنت نہیں ''اباحت ہوگی''۔

پھر غلبہ خواہ حقیقۃً ہو یعنی کثرت صدور اور خواہ حکماً ہو۔ یعنی اگر موانع نہ ہوتے تو کثرت صدور ہوتا جیسے تراویح۔ کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پر دوام نہیں فرمایا مگر خود آپ کے ارشاد سے معلوم ہوتا ہے کہ اگر افتراض کا اندیشہ نہ ہوتا تو دوام فرماتے۔

غیر مقلدین ایک سنت کی حمایت میں دوسری سنت کا ابطال کرتے ہیں

ایک سلسلۂ گفتگو میں فرمایا کہ آج کل کے غیر مقلدوں کو سوء ظن کا خاص مرض ہے کسی کے ساتھ بھی حسن ظن نہیں، بڑے ہی جری ہوتے ہیں جو جی میں آتا ہے جس کو چاہتے ہیں کہہ ڈالتے ہیں، ایک سنت کی حمایت میں دوسری سنت کا ابطال کرنے لگتے ہیں اس کو مردہ سنت کا احیاء کہتے ہیں اس کے متعلق مولانا شاہ عبد القادر دہلویؒ نے خوب جواب دیا تھا مولانا شاہ اسماعیل شہیدؒ کو، انہوں نے جہر بالتامین (جہراً آمین) کے متعلق کہا تھا کہ حضرت آمین بالجہر سنت ہے۔ اور یہ مردہ ہو چکی ہے اس لئے اس کے زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔ حضرت شاہ عبد القادر صاحب نے فرمایا کہ یہ حدیث اس سنت کے باب میں ہے جس کے مقابل بدعت ہو۔ اور جہاں سنت کے مقال سنت ہو وہاں یہ نہیں، اور آمین بالسر بھی سنت ہے تو اس کا وجود بھی سنت کی حیات ہے، مولانا شہیدؒ نے کچھ جواب نہ دیا۔ واقعی عجیب جواب ہے۔

حضرت مولانا محمود الحسن دیوبندیؒ ایک بار خورجہ تشریف لے گئے وہاں پر بھی ایک غیر مقلد نے یہ کہا کہ یہ سنت مردہ ہوگئی ہے اس لئے میں جہر سے کہتا ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ لیکن غیر مقلدوں میں آمین بالسر مردہ ہوگئی ہے وہاں آمین بالسر کہا کرو تو وہ غیر مقلد گھبرا کر کہتا ہے واہ صاحب خوب فرمایا یہاں بھی پٹوں

اور وہاں بھی پٹوں۔

کبر وصول الی اللہ کیلئے بڑا مانع ہے

ایک صاحب کے سوال کے جواب میں فرمایا کہ سب سے بڑی مانع چیز خدا کے دربار میں رسائی سے اور مقبول ہونے سے کبر ہے۔اور اس وقت اس میں الاماشاء اللہ عام ابتلاء ہورہا ہے حتی کہ اہل علم بھی اس مرض میں مبتلا ہیں۔اور عوام سے زیادہ مضر اہل علم کا ابتلاء ہے،اس لئے کہ جب پیشوا ہی گم کردہ راہ ہو تو ہدایت کی بظاہر کوئی صورت ہی نہیں۔

معاصی کے باوجود نعمتوں کا ملنا استدراج اور خطرناک ہے

مولانا عبدالماجد دریابادیؒ نے اپنی تفسیر میں لکھا ہے کہ ''مرشد تھانوی نے فرمایا کہ باوجود معاصی (گناہوں) کے،نعمتوں کا جاری رہنا استدراج اور سخت خطرناک ہے،اور اس میں جاہل صوفیوں کو سخت دھوکہ ہوا ہے چنانچہ وہ کثرت جاہ ومال کو علامت مقبولیت کی سمجھتے ہیں۔

دوستوں کیساتھ حلم وضبط ہو مگر عیوب پر تحمل نہ کرے

ایک سلسلہ گفتگو میں فرمایا دشمن کے ساتھ صبر وتحمل کرنا کمالات میں سے ہے مگر دوستوں کے ساتھ صبر وتحمل کرنا جب کہ اس سے ان کا دینی ضرر ہو،عیوب میں سے ہے،اس سے وہ جہل اور غلطی میں مبتلا رہیں گے اور اس غلطی میں مبتلا رہنے سے ان سے کدورت اور انقباض بھی پیدا ہوگا،صورت دیکھتے ہی خیال ہوگا کہ پھر ستانے کو آئے ہیں،اس لئے ضرورت ہے کہ دوستوں سے کبھی تحمل نہ کرے ان کی غلطیوں پر تنبیہ کردینا ہی دوستی اور موجب بقاء تعلق ہوگا اور یہ امور علم معاملات میں سے ہیں یہ اسرار نہیں۔البتہ امور مکاشفہ اسرار ہیں۔اسلئے اگر امور معاملات کو چھپائے تو خیانت ہے اور امور مکاشفہ کو اگر پوری زندگی ظاہر نہ کرے تو کوئی مضرت نہیں ان پر کسی مقصود کا مدار نہیں۔(ماخوذ از ''نقوشِ ہدایت'' جامع مولانا حکیم محمد ساجد قاسمی)

واقعات الفتاویٰ

فتاوی مظاہر علوم

مفتی بشیر احمد سہارنپوری
نائب مفتی دارالافتاء مظاہر علوم سہارنپور

کرسی پر نماز پڑھنے کا حکم

موجودہ زمانہ میں کرسیوں پر نماز پڑھنے کا رواج بڑھ رہا ہے اور اب مساجد میں صفوں کے ساتھ کرسیوں کا نظم بھی کیا جانے لگا ہے، اس بارے میں شرعی حکم یہ ہے کہ معذور افراد کے پیش نظر مساجد میں کرسیوں کا نظم کیا جاسکتا ہے، البتہ کس قسم کے معذور کے لئے نماز پڑھنے کی گنجائش ہے اور کس کے لئے نہیں؟ اس میں درج ذیل تفصیل ہے:

(الف) جو شخص کسی ناقابل برداشت تکلیف کے بغیر سجدہ کرسکتا ہو تو اس کے لئے کرسی پر بیٹھ کر اشارہ سے رکوع وسجود کرنا جائز نہیں ہے، بلکہ زمین پر سجدہ کرتے ہوئے نماز پڑھنا لازم ہے، اس کے بغیر اس کا فریضہ ادا نہیں ہوگا۔

(ب) جس شخص کو زمین پر سجدہ کرنے کی صورت میں ناقال برداشت تکلیف ہو البتہ اس کے لئے زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنا ممکن ہو تو اس کے لئے افضل یہی ہے کہ وہ زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھے، تاہم اگر یہ شخص کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنے کو اختیار کرے تب بھی نماز اداء ہوجائیگی۔

(ج) جو شخص نہ زمین پر سجدہ کرنے کی طاقت رکھتا ہو اور نہ اس کے لئے زمین پر بیٹھ کر نماز پڑھنا ممکن ہو تو اس کے لئے کرسی پر بیٹھ کر نماز پڑھنا درست ہے اور اس صورت میں اس شخص کے لئے رکوع وسجود کے لئے محض سر سے اشارہ کافی ہے، جس میں سجدہ کرنے کے لئے رکوع کی بنسبت زیادہ پست اشارہ کیا جائیگا اور سجدہ میں ہاتھوں کو آگے کی جانب نکالنا، یا سامنے ٹیبل یا اسٹول رکھ کر اس پر سجدہ کرنا یا بوقت قیام کرسی پر سے کھڑا ہونا ان سب تکلفات کی ضرورت نہیں ہے۔ فی الدرالمختار: **وان تعذر الیس تعذر هماشرطابل تعذرالسجود کاف لاالقیام اومأبالهمز قاعداً وهو افضل من الایماء**

قائما لقربه من الارض ويجعل سجوده اخفض من ركوعه لزوما۔ وفى ردالمحتار: قوله "بل تعذر السجود كاف" نقله فى البحر عن البدائع وغيرها، وفى الذخيرة: رجل بحلقه خراج ان سجد سال وهو قادر على الركوع والقيام والقرأة يصلى قاعداً يؤمى، ولو صلى قائما بركوع وقعدوأ ومأبالسجود أجزأه والاول افضل، لان القيام والركوع لم يشرعا قربة بنفسهما بل ليكونا وسيلتين الى السجود۔ (الدرالمختار مع ردالمختار ۱/۵۰۹)

موجودہ حالات میں دوران سفر نماز کی ادائیگی کا حکم

حکومت کی جانب سے پبلک مقامات پر نماز پڑھنے کو ممنوع قرار دیدیا گیا ہے اور ایسے مقام پر نماز پڑھنے والوں کی گرفتاری اور ان پر مقدمہ درج کئے جانے کے واقعات بھی پیش آئے ہیں، اس صورت حال میں اگر ایسی جگہ نماز کا وقت ہوجائے جہاں کوئی مسجد نہ ہو یا دور ہو تو نماز کی ادائیگی کی کیا صورت ہوگی؟

اس طرح کی صورت حال میں شرعی حکم یہ ہے کہ اولا کوئی نجی مقام تلاش کیا جائے، اگر مل جائے تو وہاں باضابطہ رکوع وسجود کے ساتھ نماز اداء کی جائے، اور اگر ایسی جگہ نہ مل سکے یا تلاش کے بغیر ہی ظن غالب ہو کہ یہاں ایسی جگہ نہیں مل سکے گی تو اشارہ سے رکوع وسجود کرتے ہوئے وقت مقررہ پر نماز ادا کرلی جائے اور پھر بعد میں اس کی قضا بھی کی جائے۔ حضرات فقہاء نے ضابطہ تحریر کیا ہے کہ اگر کسی غیر سماوی عذر کی وجہ سے نماز کا کوئی رکن فوت یا شرط ہوجائے تو ایسی صورت میں اس کے بغیر نماز اداء کی جائیگی اور بعد میں اس کی قضا بھی کی جائیگی۔ ویجب ان یعلم ان المانع عن الوضوء اذا كان من جهة العباد كاسير يمنعه الكفار عن الوضوء او محبوس فى السجن والذى قيل له ان توضأت قتلتك فيجوز له التيمم لكن اذازال المانع ينبغى ان يعيد الصلوٰة كذافى الذخيرة (شرح الوقایۃ لصدر الشریعۃ ۱/۹۸)

ویسے ہی احرام کی چادریں پہن کر طواف کا حکم:

کرونا کے بعد سے حرم مکی میں نیچے مطاف میں صرف انہی فراد کو طواف کرنے کی اجازت ہے جو باضابطہ محرم ہوں، جو باضابطہ محرم نہیں ہیں وہ صرف اوپر کی منزلوں میں طواف کر سکتے ہیں، جس کا دورانیہ نیچے کی بنسبت کافی طویل ہوتا ہے، اسلئے بعض لوگ ویسے ہی احرام کی چادریں پہن لیتے ہیں، تاکہ وہ محرم ظاہر ہوں اور ان کو نیچے مطاف میں طواف کی اجازت مل جائے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ حکومت کی جانب سے یہ نظام لوگوں کے مصالح کے پیش نظر بنایا گیا ہے، کرونا کی شدت کے زمانہ میں وہاں داخلہ بالکل ممنوع کردیا گیا تھا، پھر جیسے جیسے صورت حال بہتر ہوئی تو جو پابندیاں عائد کی گئی تھیں تدریجاً ان کو ختم بھی کردیا گیا، اسلئے حکومت کے اس نظام کی پابندی لازم ہے اور ویسے ہی چادریں پہن کر داخل ہونے کی صورت میں چونکہ اس کی خلاف ورزی ہوتی ہے اسلئے ایسا کرنا جائز نہیں ہے۔ **قال المصنف فی شرح الکنز نا قلا عن ائمتنا اطاعة الامام فی غیر المعصیة واجبة، فلو امر الامام بصوم یوم وجب** (شرح حموی علی الاشباہ والنظائر ص: ۱۸۹)

سعیِ عمرہ سے پہلے متعدد طواف کرنے کا حکم

آج کل نیچے طواف میں غیرمحرم افراد کے لئے طواف کی پابندی کی وجہ سے بعض معتمرین ایسا کرتے ہیں کہ عمرہ کا احرام باندھ کر مطاف میں داخل ہونے کے بعد عمرہ کا طواف کرتے ہیں اور پھر سعی سے قبل مزید طواف کرتے ہیں، اس طرح احرام میں ہونے کی وجہ سے ان کو بلا روک ٹوک نیچے مطاف میں طواف کا موقعہ مل جاتا ہے۔

اس کا حکم یہ ہے کہ طواف عمرہ کے بعد متصلاً سعی کرنا مسنون ہے، اور طواف عمرہ کے بعد مزید طواف کرنے کی وجہ سے طوافِ عمرہ اور سعی میں فصل ہوجاتا ہے اسلئے ایسا کرنا خلاف سنت ہے، البتہ عمرہ اداء ہوجائیگا: **ولایجب الاتیان فیه فوراً بل لو أتی بعد زمان ولو طویلا لاشئی علیه، والسنة الاتصال به فان اخره لعذر او لیستریح من تعبه لا بأس به وإن لغیر عذر فقد اساء ولا شئی علیه** (غنیۃ الناسک ص: ۱۲۶)

روپیہ ٹرانسفر کرنے کی اجرت کا حکم

بہت سے لوگ آن لائن پیسہ منتقلی کا کام کرتے ہیں، نقد پیسہ وصول کرکے اپنے اکاؤنٹ سے مقررہ اکاؤنٹ میں پیسہ منتقل کردیتے ہیں، یا اپنے اکاؤنٹ میں پیسہ منگوا کر گراہک کو اپنے پاس سے نقد ادا کردیتے ہیں اور اس پر کمیشن کے لحاظ سے اجرت وصول کرتے ہیں۔

اس کا شرعی حکم یہ ہے کہ چونکہ روپیہ منتقل کرنے یا نکال کردینے کے مذکورہ عمل میں وقت اور کچھ نہ کچھ محنت صرف ہوتی ہے اس لئے اس کی اجرت وصول کرنا ازروئے شرع درست ہے۔ **الاجارة: هی بیع منفعة معلومة باجر معلوم** (کنز الدقائق ص: ۳۵۷)

اخبارِ مظاہر

مدرسہ مظاہر علوم کی جدید مطبوعات

ترتیب: عبداللہ خالد قاسمی خیرآبادی

۱-”القويم في أحاديث النبي الكريم“

آج سے تقریباً ایک سو پچاس سال قبل دیارِ مشرق کی عظیم علمی شخصیت حضرت مولانا سخاوت علی جونپوریؒ (متوفی:۱۲۷۴ھ/۱۸۵۸ء) کی یہ وقیع تالیف ہے جو مولانا موصوف نے مستدلاتِ حنفیہ کو سامنے رکھ کر لکھی تھی، مظاہر علوم کی خدماتِ حدیث کے پیش نظر یہاں کی مجلس شوریٰ نے اس کتاب کو جدید تحقیق و تخریج اور جدید اسلوبِ کتابت وطباعت کے ساتھ شائع کرنے کا منصوبہ بنایا، چنانچہ مصنف کی پانچ سو صفحات پر مشتمل ایک جلد گراں قدر تحقیقات وتعلیقات کے بعد چار جلدوں میں شائع کی جارہی ہے، جلد اول (۵۴۶/صفحات پر) مدرسہ کے امین عام حضرت مولانا سید محمد شاہد الحسنی کے شاندار مقدمہ کے ساتھ سالِ گذشتہ شائع ہوچکی اور اب جلد دوم (۵۰۷/صفحات پر) منظر عام پر آگئی ہے۔

۲-تخصص حدیث شریف اور اس کے متخصصین

ہندوستان میں پہلی مرتبہ تخصص حدیث شریف کا مستقل شعبہ شوال ۱۴۱۵ھ/ ۱۹۹۵ء میں مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور میں قائم ہوا، اس وقت سے اب تک یہ شعبہ اپنی پوری امتیازی شان کے ساتھ الحمدللہ چل رہا ہے اور اس کے متخصصین دنیائے علم وتحقیق میں بڑی بڑی خدمات انجام دے رہے ہیں، اسی شعبہ کے تعلق سے حضرت مولانا سید محمد شاہد الحسنی امین عام مدرسہ نے ”تخصص حدیث شریف اور اس کے متخصصین“ کے نام سے مستقل کتاب تصنیف فرمائی ہے، ۵۶۰/صفحات کی یہ ضخیم کتاب دو ابواب پر مشتمل ہے، پہلے باب میں مظاہر علوم کی ڈیڑھ سو سالہ خدمات حدیث کو بڑی شرح وبسط کے ساتھ بیان کیا گیا ہے، اور دوسرا باب اس اہم شعبہ کے متخصصین کے تعارف اور علمی احوال پر مشتمل ہے۔

۳-”تعارف مخطوطات مدرسہ مظاہر علوم سہارنپور“

مدرسہ کے امین عام حضرت مولانا سید محمد شاہد الحسنی نے اپنے خالص علمی وتحقیقی ذوق کی بناء پر بڑے شوق،

بے پناہ جدو جہد اور سعی پیہم سے مختلف علاقوں کے سفر کر کے مظاہر علوم کی مرکزی لائبریری کے لئے مختلف علوم و فنون کی کتابیں اور مخطوطات جمع کیے ہیں، اور الحمدللہ یہ سلسلہ اب بھی جاری وساری ہے، **فجزاہ اللہ خیر الجزاء**

چنانچہ اس وقت مظاہر علوم کی لائبریری میں صرف مخطوطات کی تعداد تقریباً تین سو ہے۔ ان مخطوطات کی ندرت اور خالص علمی سرمایہ ہونے کی وجہ سے مولانا موصوف نے اجلاس شوریٰ میں یہ تجویز رکھی کہ اہلِ تحقیق اور اربابِ علم وبصیرت کے لئے ان سے استفادہ آسان ہوجائے اس لئے ان مخطوطات کا ایک تعارف شائع ہونا چاہئے، مولانا کی اِس تجویز کو ارکانِ شوریٰ نے منظوری دی اور باقاعدہ اس اہم علمی کام کے لئے ایک نوجوان فاضل مظاہر علوم مولانا محمد اطہر سہارنپوری کو منتخب کیا گیا، اور الحمدللہ تعارف مخطوطات کے سلسلہ کی پہلی جلد ۳۵۲ر صفحات پر مشتمل تیار ہوچکی ہے جس میں ایک سو مخطوطات کا تعارف پیش کیا گیا ہے۔

کتاب کے شروع میں حضرت مولانا سید محمد شاہد الحسنی کے شگفتہ قلم سے بڑا علمی و تاریخی مقدمہ ہے جس میں علماء اسلام خاص طور سے علماء مظاہر کی علم و مطالعہ سے دلچسپی اور خلقِ خدا تک علوم ومعارف کے فیضان کو منتقل کرنے کی سنہری تاریخ کے ساتھ ساتھ مظاہر علوم اور اس کے منفرد کتب خانہ کی تاریخ، نادرو نایاب کتب اور مخطوطات کی حصولیابی میں جدو جہد اور کوشش کو تاریخی شہادتوں سے آراستہ کیا گیا ہے، اس طرح سے یہ کتاب بھی مظاہر علوم کی علمی تاریخ میں بیش بہا اضافہ ہے۔

امتحان ششماہی بخیر وخوبی اختتام پذیر

مدرسہ میں ششماہی امتحان جو ۲۳ر ربیع الاول ۱۴۴۴ھ/ ۲۰ر اکتوبر ۲۰۲۲ء پنجشنبہ سے شروع ہوا تھا، الحمدللہ ۲۸ر ربیع الاول ۱۴۴۴ھ/ ۲۵ر اکتوبر ۲۰۲۲ء سہ شنبہ کو خیر وخوبی کے ساتھ اس کا اختتام ہوا، ۲۶ر اور ۲۷ر اکتوبر چہارشنبہ و پنجشنبہ کو صرف اسباق کی تعطیل ہوکر ۲۹ر اکتوبر ۲۰۲۲ء شنبہ سے دوبارہ تعلیمی وتدریسی سلسلہ الحمدللہ شروع ہو گیا ہے۔

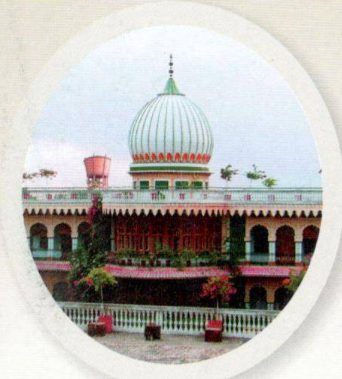
ماھنامہ مظاھر علوم سھارنپور: تبلیغِ دین، اشاعتِ اسلام اور اصلاحِ معاشرہ کی ایک عظیم تحریک ہے، لہٰذا خود بھی اس کے ممبر بنیں اور دوسروں کو بھی ممبر بنا کر اس تحریک سے جوڑیں۔

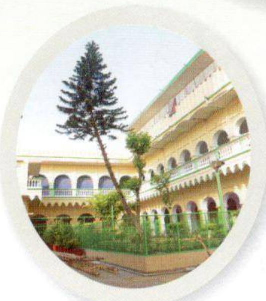
R.N.I. REGD. NO. 62469/95U.M.

URDU MONTHLY MAGAZINE

MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR







Rs. 30/-

AL-FAZL Computer +91-9359209995

MADRASA MAZAHIR ULOOM

SAHARANPUR-247001 (U.P.) INDIA, PH. 0132-2655542
E-Mail: jamiamazahir@gmail.com